الرسالہ

سرپرست
مولانا وحید الدین خاں

سب سے زیادہ بولنا وہ شخص جانتا ہے
جو سب سے زیادہ چپ رہنا جانتا ہو

شمارہ ۳۰
مئی ۱۹۷۹

زر تعاون سالانہ ۲۴ روپے
خصوصی تعاون سالانہ ایک سو روپے
بیرونی ممالک سے ۱۵ ڈالر امریکی

قیمت فی پرچہ
دو روپے

الرسالہ

شمارہ ۳۰ مئی ۱۹۷۹

جمعیۃ بلڈنگ • قاسم جان اسٹریٹ • دہلی ۶

نئی دہلی کا راشٹرپتی بھون، پارلیمنٹ ہاؤس اور اور دوسری عالی شان عمارتیں انگریزوں کی تعمیر کی ہوئی ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ جب یہ عمارتیں بن کر تیار ہوئیں تو کناڈا کے ایک بڑے سرکاری عہدیدار نے نئی دہلی کا دورہ کیا۔ اس نے شان دار دارالسلطنت کو دیکھ کر کہا:

What a magnificient world
they built to leave.

انھوں نے کیسی شان دار دنیا بنائی ہے صرف اس لئے کہ وہ اس کو چھوڑ دیں۔

مذکورہ مغربی لیڈر کے سامنے صرف سیاسی اندیشے تھے۔ مگر موت کا اندیشہ اس سے بھی زیادہ سنگین ہے جو ہر ایک کے پیچھے دوڑا چلا آرہا ہے۔ ہر آدمی زمین پر یا کم از کم اپنے ذہن میں ایک عالی شان دنیا تعمیر کرنے میں لگا ہوا ہے۔ اس کو خبر نہیں کہ بہت جلد موت کا طوفان اس کو اس طرح ڈھادے گا، جیسے کہ اس کا سارا محل صرف ریت پر کھڑا ہوا تھا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

"الرسالہ ایک قسم کی فیکٹری ہے" ایک تعلیم یافتہ شخص نے کہا "اس میں نظریاتی ہتھیار ڈھالے جاتے ہیں تاکہ لوگ ان سے مسلح ہوں اور اپنی گفتگوؤں، تقریروں اور تحریروں میں ان کو استعمال کریں"۔ الرسالہ کے بارہ میں یہ تبصرہ بہت بامعنی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ الرسالہ کا مقصد لوگوں کو دینی ہتھیار فراہم کرنا ہے۔ ہمارے گرد وپیش بے شمار معلومات بکھری ہوئی ہیں۔ تاہم ان معلومات کی مثال، ابتدائی حالت میں، سونے کی کان جیسی ہے۔ مٹی اور پتھر کے انبار میں جس طرح سونے کے ذرات چھپے ہوتے ہیں جن کو دیدہ ریزی کے ساتھ چن کر الگ کیا جاتا ہے۔ اسی طرح معلومات کے اس ڈھیر میں وہ چیزیں بکھری ہوئی ہیں جو دینی پہلو رکھتی ہیں، جن سے دینی محاذ کو تقویت پہنچ سکتی ہے۔ الرسالہ میں یہ کیا جاتا ہے کہ معلومات کے انبار سے دینی اہمیت کی چیزوں کو چھانٹ کر الگ کیا جاتا ہے اور ان کو جدید اسلوب میں مرتب کرکے قارئین کے سامنے لایا جاتا ہے تاکہ وہ ایک طرف اس سے خود اپنے لئے دینی غذا حاصل کریں اور دوسری طرف ان کے ذریعہ دوسروں کے اوپر دعوت کا کام کریں۔

الرسالہ کے ادارہ سے شائع ہونے والی کتابوں کی نوعیت بھی یہی ہے۔ الرسالہ میں جو چیز "صحافتی" سطح پر انجام دی جارہی ہے وہی ان کتابوں میں "تصنیفی" سطح پر انجام دینا مقصود ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ الرسالہ اور اس کی کتابیں ہر طبقہ اور ہر حلقہ کے مسلمانوں کے لئے وقت کا اسلامی تحفہ ہیں۔ ان میں ہر ایک کے لئے غذا اور ہر ایک کے لئے مواد ہے۔ ان سے ہر ایک یکساں طور پر فائدہ اٹھا سکتا ہے۔

فہرست

دو آدمی ایک دوسرے کے دشمن ہو گئے۔ ہر ایک دوسرے کو بدنام کرنے اور اس کو نقصان پہنچانے میں لگا رہا۔ مگر آخری چیز جس نے دونوں کے درمیان فیصلہ کیا وہ موت تھی۔ موت نے ان میں سے ہر ایک کو اسی قبر میں پہنچا دیا جس میں وہ اپنے بھائی کو پہنچانا چاہتا تھا۔

موت کا یہ واقعہ ہر روز ہمارے سامنے پیش آتا ہے مگر ہر ایک یہ سمجھتا ہے کہ یہ واقعہ اسی آدمی کے لئے ہے جس کے ساتھ وہ بظاہر پیش آرہا ہے۔ خود اپنے لئے کوئی شخص اس میں سبق نہیں پاتا۔

How England was Lost to Islam?

Had powerful Moorish ruler Emir Mohammed Al-Nassir overlooked the fact that Islam forbids taking undue advantage of helpless people, England would have become a Muslim country in the 13th century —some 800 years ago.

Gabriel Ronay in his book "The Tarter Khan's Englishman" published by Cassel, disclosed that in 1213 King John of England sent a secret emissary of three persons to Moorish ruler Emir Mohammed Al-Nassir with offer of homage and promise that if England were to be received into the Arab fold King John would become the Emir's tribute-paying vassal and he along with his subjects convert to Islam.

Ronay came across verbatim account of secret emissary while researching for book on Robert Dad, London Catholic priest who was also one of the emissary sent to Al-Nassir and who was later excommunicated and banished from England by King John for his role in the Magna Carta rebellion of 1215.

This forgotten episode of English history when King John offered to become Muslim along with his subjects was dutifully recorded by Saint Alban's chronicler of 13th century, Mathew Paris. There is little to question veracity of his account writes Ronay, because he heard it straight from those emissaries.

Nasser's Rebuff: Baron Thoma Hardington, head of King John's emissary, according to Paris accounts, was instructed by John to tell Emir Al-Nassir "great King of Africa, Morocco and Spain that he would voluntarily give up to him, himself and his kingdom, and if he pleased, would hold it as tributary for him and that he would also abandon Christian faith which he considered false and would faithfully adhere to law of Mohammed".

Baron Hardington, who was accompanied by Baron Relph Fitznicholas and Catholic priest Master Robert de London handed King John's letter to the Emir and with the aid of an interpreter proceeded to convey with oratorial skill the richness of England's soil, fertility of its fields and skill of its people "who are handsome and ingenious, are skilled in three languages, Latin, French and English as well as in every liberal and mechanical pursuit".

Ronay describes Emir's reply as "exceptionally level headed" when he said, "I have never read or heard that any king possessing such prosperous kingdom, subject and obedient to him, would thus voluntarily ruin his sovereignty by making tributary to a country that is free by giving to a stranger that which is his own by turning happiness to misery and thus giving himself up to will of another conquerred as it were without wound".

Upon his emissary's return to England, King John "wept bitterly in being baulked in his purpose".

Catholic priest, Master Robert de London later was excommunicated and banished from England as result of his role in Magna Carta rebellion. He went to Mongolia to become Tartar Khan's chief diplomat and later to return to Europe eventually as head of the Tartars that converted nearly half of Europe to Islam.

Sunday TIMES (London)
October 22, 1978

سلطنت موحدین کا حوصلہ مند فرماں روا عبدالمومن اندلس پر اپنے قبضہ کو مکمل کرنے کے بعد سارے یورپ کو فتح کرنا چاہتا تھا۔ مگر اس کی عمر نے وفا نہ کی۔ وہ پانچ لاکھ کے ناقابل تسخیر لشکر کو لے کر آگے بڑھنے والا تھا کہ جمادی الثانی ۵۵۸ھ میں اس کا انتقال ہوگیا۔ تاہم اس کی اگلی پشت میں امیر ابو عبداللہ محمد ناصر لدین اللہ کے زمانہ حکومت (۶۱۰ — ۵۹۵ھ) میں خود یورپ کی سیاست نے اس خواب کی تکمیل کے اسباب پیدا کر دیئے۔ اگرچہ ناصر لدین اللہ کی کم ہمتی کی وجہ سے یہ خواب تکمیل کو نہ پہنچ سکا۔

اس زمانہ میں جان لاک لینڈ (۱۲۱۶ - ۱۱۶۷ء) انگلستان کا بادشاہ تھا۔ یہی وہ بادشاہ ہے جس نے مشہور میگنا کارٹا (منشور آزادی) پر ۱۲۱۵ میں دستخط کئے تھے۔ اسی کے زمانہ میں ملک کے کچھ امرار نے اپنے حقوق کی آزادی کا مطالبہ کیا۔ امرار اور بادشاہ کے درمیان کش مکش بڑھی۔ پوپ انوسنٹ سوم (۱۲۱۶ — ۱۱۶۰) نے اس معاملہ میں امرار کا ساتھ دیا۔ لندن کا پادری رابرٹ، جو اس مقابلہ میں بادشاہ کے ساتھ تھا، پوپ نے اس کو کلیسا سے خارج کر دیا۔ ان حالات میں شاہ جان نے یہ منصوبہ بنایا کہ وہ اندلس کے مسلم حکمران کا تعاون حاصل کر کے اپنے حریفوں کو شکست دے۔ اس نے ۱۲۱۳ء میں ناصر لدین اللہ کے پاس ایک خفیہ سفارت بھیجی۔ اس سفارتی وفد کے ارکان یہ تھے: ٹامس ہارڈنگٹن، رالف فرنکوس، ماسٹر رابرٹ۔ یہ وفد سمندری سفر کر کے مراقش پہنچا جہاں ناصر لدین اللہ مقیم تھا۔ وفد کے ارکان وسیع محل کے ایوان اور ڈیوڑھیوں سے گزرتے ہوئے، جن کے دونوں طرف شاہی خدام کی صفیں کھڑی ہوئی تھیں، امیر ناصر لدین اللہ کے سامنے پہنچے۔ انھوں نے امیر کو شاہ جان کا خط پیش کیا اور ترجمان کے ذریعہ امیر سے گفت گو کی۔ اپنے بادشاہ کی ہدایت کے مطابق انگلستانی وفد نے ناصر لدین اللہ سے کہا کہ اگر آپ شاہ جان کی مدد کریں تو وہ آپ کے باج گزار بن جائیں گے۔ نیز یہ کہ عیسائیت پر ان کا اعتقاد ختم ہوگیا ہے اور وہ "افریقہ اور مراقش اور اسپین کے عظیم بادشاہ" کے ہاتھ پر اسلام قبول کرنے کے لئے تیار ہیں اور اسی کے ساتھ ان کی دعا یا بھی۔ وفد نے انگلستان کی تعریف میں مزید کہا کہ وہ ایک زرخیز ملک ہے۔ اس کے باشندے تین زبانوں کو جاننے والے ہیں: لاطینی، فرانسیسی اور انگریزی۔ وہ مختلف قسم کی فنی صلاحیتیں بھی رکھتے ہیں۔

مگر امیر ناصر لدین اللہ نے اس پیش کش کو قبول نہیں کیا۔ اس نے اس کو سیاسی چال سمجھا۔ اس نے کہا "میں نے کبھی نہیں سنا کہ کوئی بادشاہ جس کے پاس اتنا قیمتی ملک ہو، خود سے اپنے آپ کو دوسرے بادشاہ کے حوالے کر دے۔" اس نے وفد کے لوگوں کو اپنے دربار سے نکال دیا اور کہا کہ اب کبھی میرے پاس نہ آنا۔ اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے گبرل رونے نے لکھا ہے:

"تیرھویں صدی عیسوی میں انگلستان مکمل طور پر ایک مسلم ملک بن جاتا اگر ناصر لدین اللہ شاہ جان کی پیش کش کو قبول کر لیتا"

شاہ انگلستان کے اسلام کو قبول نہ کرنا ناصر الدین اللہ کے لئے مہنگا پڑا۔ ۶۰۹ھ میں یورپی فوجیں بہت بڑی تعداد میں شاہ الفانسو کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو کر مسلم اندلس پر حملہ آور ہوئیں۔ ناصر لدین اللہ کے ساتھ چھ لاکھ کا لشکر تھا۔ مگر امیر کی نااہلی کی وجہ سے اس کو بری طرح شکست ہوئی۔ بیشتر مسلم فوجی العقاب کے میدان میں عیسائیوں کے ہاتھوں مار ڈالے گئے۔ ایک عظیم امکان ایک بدترین انجام میں تبدیل ہوگیا۔

بامعنی کائنات بے معنی انجام پر ختم نہیں ہو سکتی

وما خلقنا السموٰت والارض وما بینھما لٰعبین۔ ماخلقنٰھما الا بالحق ولٰکن اکثرھم لا یعلمون۔ ان یوم الفصل میقاتھم اجمعین یوم لا یغنی مولیٰ عن مولیٰ شیئا ولا ھم ینصرون الا من رحم اللہ انہ ھو العزیز الرحیم

دخان ۳۸ - ۴۲)

اور ہم نے زمین و آسمان کو اور جو کچھ ان کے بیچ میں ہے کھیل کے لئے نہیں بنایا۔ ان کو ہم نے حق کے ساتھ بنایا ہے۔ مگر اکثر لوگ نہیں سمجھتے۔ بلا شبہ فیصلہ کا دن سب کا مقرر ہے جس دن کوئی دوست کام نہ آئے گا اور نہ ان کو کچھ مدد پہنچے گی۔ ہاں جس پر اللہ رحم کرے۔ اللہ زبردست ہے اور مہربان

یہی بات قرآن میں دوسرے مقام پر ان لفظوں میں کہی گئی ہے کہ زمین و آسمان کو ہم نے باطل اور عبث نہیں بنایا (مومنون، ص) ایک عام آدمی جب دنیا کے منظر کو دیکھتا ہے تو اس کو عجیب نقشہ دکھائی دیتا ہے۔ یہاں سچے اپنی سچائی کا انعام نہیں پاتے اور بروں کو ان کی برائی کی سزا نہیں ملتی۔ وہ دیکھتا ہے کہ اس دنیا میں کہیں پتھر عظمت پائے ہوئے ہیں اور انسان ذلیل ہو رہا ہے۔ کہیں شریر لوگوں کو اونچا درجہ مل رہا ہے اور نیک لوگ روندے جا رہے ہیں۔ کوئی مفاد اور مصلحت پر چل کر کامیابیاں سمیٹ رہا ہے اور کوئی اصولوں کی خاطر اپنی زندگی کو تباہ کئے ہوئے ہے۔ کسی کو نعروں اور تقریروں پر لیڈریاں مل رہی ہیں اور کسی کو اپنے آپ کو مٹا دینے کے بعد بھی کوئی کریڈٹ نہیں ملتا۔ کہیں انسانوں کو آپس میں لڑانے والے مصلح کا خطاب پا رہے ہیں اور کہیں لڑائی سے بچنے کی کوشش کرنے والوں کو سزا مل رہی ہے۔ کہیں ایک شخص کھلی غلطی کر کے بھی الفاظ کا نہ ختم ہونے والا ذخیرہ پا لیتا ہے جس سے وہ اپنے کو حق بجانب ثابت کر سکے اور کہیں غلطی کر کے آدمی پر ایسی چپ لگتی ہے گویا اس کے پاس بولنے کے لئے الفاظ ہی نہیں۔ کہیں خدا کے نام پر کسی کو شاندار کاروبار مل رہا ہے اور کہیں خدا کا نام لینا آدمی کے لئے اپنے کو مٹانے کے ہم معنی بن رہا ہے۔ کوئی شخص ہے جو ایک انسان کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر اس کے اوپر درندوں کی طرح ٹوٹ پڑتا ہے اور کوئی ہے جو دوسرے پر قابو یافتہ ہونے کے باوجود اس کو چھوڑ دیتا ہے۔ کہیں ایک شخص حق پسندی کی خاطر اپنے آپ کو دوسرے کے مسئلہ میں الجھا دیتا ہے اور کہیں آدمی حق کی پامالی دیکھتا ہے اور یہ سوچ کر چپ رہ جاتا ہے کہ جب میرا کچھ بگڑنے والا نہیں ہے تو میں دوسرے کے مسئلہ میں اپنے کو کیوں پھنساؤں۔ کہیں سچائی ظاہر ہونے کے بعد بھی آدمی اپنی عزت کو بچانے کے لئے اس کا اعتراف نہیں کرتا اور کہیں ایک آدمی اپنی عزت کے سوال کو بھول کر اس کی طرف دوڑ پڑتا ہے۔ کہیں ایک آدمی اپنے ذاتی مفاد کی خاطر پورے ملک اور قوم کی قسمت کو داؤ پر لگا دیتا ہے اور کہیں آدمی اپنی قوم کو بچانے کی کوشش میں اپنے آپ کو ہلاک کر لیتا ہے۔ کوئی اپنے دل میں دوسروں کی خیر خواہی کا جذبہ لئے ہوئے ہے اور کوئی حسد اور عداوت کا۔ کوئی دوسرے کی اصلاح کے لئے دعائیں کر رہا ہے اور کوئی دوسرے کی بربادی کی سازشیں کر رہا ہے۔ خلاصہ یہ کہ کوئی جہنم کے شعلے بکھیر رہا ہے اور پھر بھی وہ پھولوں کے باغ میں ہے اور

کوئی جنت کے دروازے کھولنا چاہتا ہے مگر وہ کانٹوں اور آگ کے شعلوں میں پڑا ہوا ہے

کیا یہ دونوں قسم کے لوگ اپنی اپنی کارگزاری دکھا کر ختم ہو جائیں گے اور اس کے بعد دونوں کا کوئی فیصلہ نہیں ہونا ہے۔ کیا کوئی ایسی دنیا نہیں جہاں دونوں کا فرق ظاہر ہو۔ کیا یہ دنیا عیاروں اور باطل پرستوں کی تماشا گاہ ہے۔ کیا خدا نے یہ عظیم اہتمام اس لئے کیا ہے کہ یہاں حق پرستوں کے اوپر کتے بھونکیں اور چوہے کتر رہیں، بھیڑیے ان کا خون پئیں۔ کیا دنیا کا اسٹیج اس لئے ہے کہ کچھ لوگ یہاں اپنی شیطانی ہوس کی تسکین حاصل کریں اور کچھ لوگ ان کی ہوس کا شکار ہوتے رہیں۔ اور اس کے بعد یہ سارا ڈرامہ یوں ہی ختم ہو جائے۔ ایسا ناممکن ہے۔ کائنات کی بے پناہ معنویت اپنے پورے وجود کے ساتھ پکار رہی ہے کہ اس کا خاتمہ ایسے بے معنی انجام پر نہیں ہو سکتا۔ بامعنی کائنات صرف بامعنی انجام پر ہی ختم ہو سکتی ہے۔ موجودہ دنیا اپنے پورے وجود کے ساتھ پکار رہی ہے کہ یہ نامکمل ہے اور اس کا نامکمل ہونا ہی اس بات کا ثبوت ہے کہ اس کے بعد ایک آخرت ہو جہاں ہر ایک کو جانچا جائے اور اس کے عمل کے مطابق اس کو اچھا یا برا مقام عطا کیا جائے۔

درخت میں غلط کھاد ڈالئے تو وہ سوکھ کر ختم ہو جائے گا اور جب آپ اس کو صحیح کھاد اور پانی پہنچاتے ہیں تو وہ ایک ہری بھری کائنات کی صورت میں زمین کے اوپر ابھرتا ہے۔ وہ رنگ اور خوشبو اور ذائقہ دیتا ہے۔ وہ تازہ ہوا بکھیرتا ہے اور زمین کی خوش نمائی میں اضافہ کرتا ہے۔ اور بے شمار دوسرے فائدے پہنچاتا ہے۔ یہی حال اس درخت کا ہے جس کو انسان کہتے ہیں، جو شخص خدا کے قانون کے مطابق اپنے وجود کی صحیح نگہداشت کرے گا، جو اپنی ہستی کو صالح خوراک پہنچائے گا وہ خدا کی زمین میں پھلے پھولے گا اور آخرت میں ایک عالی شان باغ کی صورت میں نمایاں ہوگا۔ وہ خوشیوں اور لذتوں کی ایک ایسی کائنات کی شکل اختیار کرے گا جس کی بہاریں کبھی ختم نہ ہوں، جس کے امکانات کی کوئی حد نہ ہو۔

دوسری طرف وہ لوگ ہیں جو اپنی ہستی کے درخت کو غلط پانی دیں اور اس کی جڑوں میں وہ کھاد ڈالیں جو خدا نے اس کے لئے مقرر نہیں کی ہے۔ ایسے لوگ اپنے درخت کو ٹھنٹھ بنا رہے ہیں۔ وہ اس کے اپجاؤ کی صلاحیت کو فنا کر رہے ہیں۔ ایسے لوگ آخرت کی دنیا میں اس حال میں پہنچیں گے کہ ان کے پاس درختِ حیات کے نام سے سوکھی لکڑیوں کے سوا اور کچھ نہ ہوگا۔ جو جہنم میں جلنے کے لئے ڈال دی جائیں۔ اس قسم کے لوگ موجودہ دنیا میں اگر بظاہر تر و تازہ دکھائی دیتے ہوں تو یہ بھی ان کے اوپر خدا کے غضب کی ایک صورت ہے۔ خدا ان کو مہلت دے رہا ہے کہ وہ اپنی ظاہری سرسبزی سے دھوکے میں پڑ جائیں اور مزید سرکشی کر کے اپنے جرم کو اور زیادہ ثابت کر دیں۔

دنیا میں آدمی اپنے گرد و پیش اعوان و انصار کو دیکھ کر غلط فہمی میں پڑ جاتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ جس طرح دنیا کی زندگی میں اپنے مددگاروں کے ذریعہ میں اپنے کام بنا رہا ہوں اسی طرح آخرت میں بھی بنا لوں گا۔ مگر یہ زبردست بھول ہے۔ آخرت میں آدمی اس حال میں پہنچے گا کہ ہر قسم کا سہارا اس سے دور ہو چکا ہوگا، وہاں وہی شخص سہارے والا ہوگا جس کا خدا سہارا بنے۔ آخرت میں وہ تمام الفاظ بے معنی ہو جائیں گے جو دنیا میں لوگوں کو بامعنی نظر آتے ہیں اور نہ تمام طاقتیں بالکل بے زور ثابت ہوں گی جن کے بل پر آدمی آج اپنے کو طاقت ور سمجھے ہوئے ہیں۔

جب آدمی خدا کی حمایت سے محروم ہوجاتا ہے

عن خباب ابن الارت قال صلّی بنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلوٰۃ فاطالہا۔ قالوا یارسول اللہ صلیت صلوٰۃ لم تکن تصلیہا۔ قال اجل۔ انہا صلوٰۃ رغبۃ ورھبۃ وانی سألت اللہ فیہا ثلثا فاعطانی ثنتین ومنعنی واحدۃ۔ سألتہ ان لا یہلک امتی بسنۃ فاعطانیہا وسألتہ ان لا یسلط علیہم عدوا من غیرھم فاعطانیہا وسألتہ ان لا یذیق بعضہم بأس بعض فمنعنیہا (مسلم، ترمذی، نسائی)

خباب بن ارت رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے ساتھ ایک نماز پڑھی اور اس کو لمبا کیا۔ لوگوں نے کہا: اے خدا کے رسول آپ نے ایسی نماز پڑھی جو آپ نے اس سے پہلے نہیں پڑھی تھی۔ آپ نے فرمایا ہاں۔ یہ امید اور خوف کی نماز تھی۔ میں نے اس میں اللہ سے تین چیزیں مانگیں۔ اللہ نے دو چیزیں دے دیں اور ایک سے انکار فرمایا۔ میں نے درخواست کی کہ میری امت کو قحط سے ہلاک نہ کیا جائے۔ یہ قبول ہوگئی۔ میں نے درخواست کی کہ ان کے اوپر ان کے باہر کے دشمنوں کو مسلط نہ فرما۔ یہ قبول ہوگئی۔ میں نے درخواست کی کہ میری امت کے بعض کی طاقت کا مزا بعض کو نہ چکھائے۔ مگر یہ منظور نہیں ہوئی۔

مسلمان اس سے محفوظ کردیئے گئے ہیں کہ وہ ارضی وسماوی آفتوں سے ہلاک کئے جائیں۔ وہ اس سے بھی محفوظ ہیں کہ ان کا کوئی خارجی دشمن ان کے اوپر مستقل قبضہ پالے۔ مگر ایک چیز ایسی ہے جہاں وہ خدا کی حفاظت میں نہیں ہیں۔ وہ یہ کہ ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان کی طاقت کا مزا چکھنا پڑے۔ یہی وہ اصل مقام ہے جہاں مسلمانوں کا امتحان لیا جارہا ہے۔ اگر یہاں بھی ان پر حفاظت قائم کردی جاتی تو ان کا امتحان ختم ہوجاتا، اور یہ قیامت سے پہلے کسی کے لئے ممکن نہیں۔

جب بھی ایسا ہو کہ ایک مسلمان اپنی طاقت کو دوسرے مسلمان کے خلاف استعمال کرنے لگے تو سمجھنا چاہئے کہ وہ اس حد میں داخل ہوگیا جہاں خدا نے اپنے رسول کی دعا کے باوجود اس کی حفاظت کا وعدہ نہیں فرمایا ہے۔ جب ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو دکھ پہنچائے، وہ موقع پاکر اس کے اوپر چڑھ دوڑے، وہ اس کی کمزوری سے فائدہ اٹھاکر اس کو زک دینے کے درپے ہوجائے، وہ اپنی حیثیت کو دوسرے مسلمان کو نقصان پہنچانے کے لئے استعمال کرے تو گویا یہ اس بات کی علامت ہے کہ آدمی اللہ کی پہریداری سے باہر نکل گیا۔ اب وہ شیطان کی حمایت میں ہے۔ اس نے اپنے آپ کو شیطان کے قابو میں دے دیا ہے اور شیطان اس کو اندھا بناکر اس سے وہ کام کروا رہا ہے جو اللہ نے اس کے لئے دائمی طور پر حرام قرار دیا تھا۔ کسی مسلمان کا دوسرے مسلمان کو اپنی طاقت کا مزہ چکھانا، اس کے لئے خوشی کا نہیں بلکہ ماتم کا وقت ہے ایسا ہر واقعہ اس بات کا اعلان ہے کہ آدمی رسول کی شفاعت کے حق سے محروم ہوگیا ہے، اس نے اپنے آپ کو ایک ایسے مقام پر کھڑا کردیا ہے جہاں نہ اللہ اس کا ساتھی ہے اور نہ اللہ کا رسول۔

درخت کی زبان سے

درخت کیا ہے۔ ایک بیج کی اِس صلاحیت کا ظہور کہ وہ مٹی اور پانی سے اپنا رزق لے کر اپنے آپ کو تنہ اور شاخ اور پتی اور پھول کے اس مجموعہ کی صورت دے سکے جس سے زیادہ خوش منظر مجموعہ اس دنیا میں اور کوئی نہیں۔
انسان کی مثال بھی کچھ اسی قسم کی ہے۔ وہ اس دنیا میں ایک بیج کی مانند ڈالا گیا ہے۔ اس کو اپنی کوششوں سے "درخت" بننا ہے۔ خدا کی اس دنیا میں اس کے لئے رزق کے بے پناہ ربانی مواقع رکھ دیئے گئے ہیں۔ وہ اس دنیا سے اپنا رزق لے کر اپنے لئے ایک ایسے ابدی مستقبل کی تعمیر کر سکتا ہے جو اگلی زندگی میں جنت کے ہرے بھرے باغوں کی شکل میں اس کی طرف لوٹے اور اس کے لئے لازوال خوشی کا باعث ہو۔
اس کے برعکس جو لوگ ان مواقع سے اپنا ربانی حصہ پانے میں ناکام رہیں، ان کی مثال اس بیج کی سی ہے جو کسی پتھر پر پڑ گیا ہو یا جس نے کسی ناموافق زمین میں جگہ پائی ہو۔ ایسا بیج کبھی لہلہاتے ہوئے درخت کی صورت اختیار نہیں کرتا۔ اسی طرح موجودہ دنیا میں جس نے اپنی تعمیر کے امکانات سے فائدہ نہیں اٹھایا۔ وہ گویا ایک ایسا بیج ہے جس کی کوتاہیوں نے اس کو درخت نہیں بنایا۔ ایسا شخص اگلی طویل تر زندگی میں ابدی ناکامی سے دوچار ہوگا۔ وہ آخرت کی دنیا میں ایک ایسی زندگی کا وارث ہوگا جو ہر قسم کی شادابی سے مکمل طور پر محروم ہو۔

موجودہ زمانہ میں بعض مسلم حکمرانوں نے اپنی حکومت کے استحکام کی یہ آسان تدبیر دریافت کی ہے کہ اسلام کے نام پر کوڑے مارو اور خوفناک سزائیں جاری کرو، تاکہ عوام اور انقلاب پسند عناصر سہم جائیں اور ان کی آمریت کے خلاف اٹھنے کی ہمت نہ کریں۔ قدیم زمانہ میں بادشاہوں کو ایسے علما مل جاتے تھے جو ان کی ہوس ناکی کے منصوبوں کے لئے شرعی سند عطا کرتے رہیں۔ اسی طرح موجودہ زمانہ کے ان حکمرانوں کی خوش قسمتی سے ان کو ایسے افراد اور ادارے مل گئے ہیں جو ان کے تاریک منصوبوں کے حق میں یہ فتوی دے سکیں کہ یہی اسلام کا اصل مطلوب ہے، صرف اس قیمت میں کہ ان کو کچھ نذرانے اور اعزازی عہدے حاصل ہو جائیں۔

مگر اسلام کوڑے مارنے اور ہولناک سزائیں جاری کرنے کا نام نہیں۔ اس قسم کی حدود اور تعزیرات اسلام کے پورے بامعنی وجود سے بس اتنی ہی نسبت رکھتے ہیں جیسے ایک زندہ انسان کا اپنے بڑھے ہوئے ناخن کو کاٹنا۔ اسلام خدا کی رحمتوں کا دین ہے۔ وہ جنتی فضاؤں کا دنیوی ظہور ہے۔ وہ موت کے بعد آنے والی دنیا کا موت سے پہلے والی دنیا میں مظاہرہ ہے۔ یہ جنت کے شہریوں کا دنیا میں اتر آنا ہے۔ وہ ملکوتی اوصاف جو کسی بندۂ خدا کو جنت کی ناقابل بیان خوشیوں کا مستحق بناتے ہیں، جب ایسے اوصاف کے لوگ اقتدار کے مناصب پر قبضہ پالیں تو اسی کا دوسرا نام اسلامی نظام ہے۔ اسلامی نظام وہ لوگ قائم کرتے ہیں جو آسمانوں والے خدا کو زمین پر کھڑا ہوا دیکھتے ہوں۔ جو اپنے آپ کو خدائی منصوبہ میں اس حد تک گم کر چکے ہوں کہ اپنی ذات کے منصوبے ان کے لئے باقی نہ رہیں۔ اسلامی نظام برپا کرنے والے وہ ہیں جو دوسرے کے درد پر تڑپتے ہوں۔ جو دوسرے کی تکلیف کو اپنی تکلیف سمجھتے ہوں۔ جن کا حال یہ ہو کہ ذمہ داریوں کا احساس ان سے زندگی کی خوشیاں چھین لے۔ اللہ کے سامنے جواب دہی کا فکر ان کے لئے اقتدار کی کرسی کو کانٹوں کی کرسی بنا دے۔ جو حکومتی مواقع کے ملنے پر آنسو بہانے والے ہوں نہ کہ قہقہہ بلند کرنے والے۔

زمین کے اوپر جب ایک درخت کھڑا ہوتا ہے اور اپنی سرسبز ٹہنیوں میں پھول اور پھل لگاتا ہے تو یہ ایک پیچیدہ ترین کائناتی منصوبہ کی تکمیل ہوتی ہے۔ اسی طرح اسلامی نظام گویا انسانی سماج میں خدا کا شرعی پھول اور پھل اگانا ہے۔ یہ ایک انتہائی لطیف اور انتہائی مشکل منصوبہ ہے۔ جس طرح ایک درخت طویل مدت تک خاموش عمل میں مصروف رہنے کے بعد اس قابل بنتا ہے کہ وہ اپنے ہریالے تنہ کے اوپر رنگ اور مزہ اور خوشبو کا وہ فرحت بخش مجموعہ ظہور میں لائے جس کو پھول اور پھل کہا جاتا ہے۔ اسی طرح اسلامی نظام کا قیام بھی ایک بے حد سنجیدہ اور بے حد طویل منصوبہ ہے۔ یہ نہایت گہری جدوجہد کا طالب ہے۔ کچھ زندگیاں درخت کے بیج کی مانند اپنے آپ کو عظیم مقصد کی خاطر قربان کر دیتی ہیں۔ کچھ روحیں عالم حقائق میں گم ہو کر خدا کے چھپے ہوئے خزانوں کو اجتماعی سطح پر بکھیرتی ہیں تو اس کے بعد وہ واقعہ رونما ہوتا ہے جس کو اسلامی نظام کہا جاتا ہے کچھ لوگ جو جیتے جی اپنے آپ کو آخرت میں پہنچا چکے ہوں، جب وہ آخرت کی ابدی تجلیوں کو دنیا میں اتارتے ہیں تو اسی انعکاس نور کا نام اسلامی نظام ہوتا ہے۔ اسلامی نظام خدا کی اخروی نعمتوں کا زمینی ظہور ہے۔ جو لوگ اپنی جاہ طلبی کے تماشوں کو اسلامی نظام کا نام دیتے ہیں، ایسے لوگ اسلامی نظام قائم کرنے کا کریڈٹ تو کیا پائیں گے، البتہ یہ اندیشہ ہے کہ خدا کے یہاں وہ دھوکہ بازی کے مجرم قرار دئے جائیں۔ کیونکہ انھوں نے اپنے ٹھنٹھ کو خدا کا سرسبز و شاداب درخت کہنے کی جسارت کی تھی۔ (۴ اپریل ۱۹۷۹)

اسلام کے نام پر اسلام کا قتل

پوعا کارتا (انڈونیشیا) کے مسلم اسکول میں طالب علموں نے ایک تصویری پوسٹ کارڈ چھپوایا۔ اس میں ایران کے مذہبی قائد آیات اللہ خومینی کی تصویر تھی۔ پوسٹ کارڈ کی تقسیم سے پہلے حکومت کو اس کی خبر ہوگئی اور انڈونیشی پولس نے تمام پوسٹ کارڈ ضبط کر لئے (ٹائمس آف انڈیا ۲۱ فروری ۱۹۷۹) اس قسم کی خبریں دوسرے مسلم ملکوں سے بھی مل رہی ہیں۔ مسلم حکمراں خومینی کے زیر اثر قائم شدہ ایرانی اسلامی حکومت کو اگرچہ سرکاری طور پر مبارک باد کے تار بھیج رہے ہیں مگر خود اپنے ملک میں "خومینی افکار" کی درآمد کو وہ سخت ناپسند کرتے ہیں۔ اس طرح یہ بظاہر کامیاب اسلامی تحریک عملاً الٹا اثر پیدا کر رہی ہے۔ وہ اسلام کی کامیابی کے نعروں کے جلو میں اسلام کے لئے کام کرنے کے مواقع کو برباد کر رہی ہے۔

پاکستان، ایران اور بعض دوسرے ملکوں میں مسلم رہنماؤں نے اپنے سیاسی عزائم کے لئے "اسلامی حکومت" کے لفظ کو ایک کامیاب عوامی نعرہ بنایا ہے۔ مگر اسلام کو سیاسی نعرہ بنانا اسلام کو اسلام کے نام پر قتل کرنا ہے۔ موجودہ حالات میں کوئی بھی مسلم ملک اپنے معاشرتی حالات کے اعتبار سے اس قابل نہیں کہ وہ اسلامی حکومت کے قیام کی زمین بن سکے۔ مزید یہ کہ جو لیڈر اس قسم کی تحریک چلا رہے ہیں وہ خود بھی اسلامی قیادت کے اوصاف سے بالکل خالی ہیں۔ ایسی حالت میں اسلامی حکومت کا نعرہ صرف تخریبی کارروائیوں کے لئے ایک کامیاب ہتھیار بن سکتا ہے، وہ کسی بھی درجہ میں کوئی تعمیری نتیجہ پیدا نہیں کر سکتا۔ اس قسم کی تحریکوں کا دوسرا نقصان یہ ہے کہ اسلام کا لفظ مسلم حکمرانوں کے لئے اسی طرح سیاسی خطرہ کے ہم معنی بنتا جا رہا ہے جس طرح، مثال کے طور پر، کمیونزم کا لفظ امریکی حکمرانوں کے لئے بنا ہوا ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ مسلم ملکوں میں اسلام کے نام پر کوئی دیرپا کام کرنا دن بدن مشکل سے مشکل تر ہوتا جا رہا ہے۔

موجودہ زمانہ کے مسلم قائدین اگرچہ اسلام کے نعرہ پر اٹھے ہیں مگر وہ جس زمین پر کھڑے ہوئے ہیں وہ سیاسی اور معاشی بے چینی کی زمین ہے نہ کہ حقیقۃً اسلام کی طلب کی زمین۔ آزادی اور جمہوریت اور سوشلزم کے علم بردار جس عوامی بے چینی کو استعمال کر کے اپنی سیاسی تحریکیں چلا رہے ہیں، اسی بے چینی کو مسلم قائدین اسلام کے نام پر استعمال کر رہے ہیں۔ اس سے زیادہ اس قسم کی تحریکوں کی کوئی حقیقت نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مفروضہ غیر اسلامی حکومت کو اکھاڑنے کے بعد جب مطلوبہ اسلامی حکومت بنانے کا سوال ہوتا ہے تو قائدین اور ان کا ساتھ دینے والی بھیڑ دونوں مکمل طور پر ناکام ثابت ہوتے ہیں۔

موجودہ زمانہ میں جو مادی سیاسی تحریکیں اٹھیں انھوں نے ہر ملک میں "عوام دشمن" حکومتوں کو اکھاڑ پھینکا مگر وہ حقیقی عوامی حکومت قائم نہ کر سکیں۔ یہی انجام اسلامی تحریکوں کے لئے بھی مقدر ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہی تحریک صالح دینی نظام قائم کر سکتی ہے جو دینی محرکات کے تحت اٹھی ہو۔ سیاسی اور معاشی بے چینی کی زمین سے ابھرنے والی تحریکیں صرف نیا فساد برپا کریں گی، وہ ہرگز کوئی صالح نتیجہ پیدا نہیں کر سکتیں۔ منفی بنیادوں پر جو اتحاد پیدا ہو وہ ہمیشہ انتشار پر ختم ہوتا ہے اور مخالفانہ قسم کا سیاسی شور و شر بالآخر بدترین بے عملی پر۔ ایران کے واقعات میں جن لوگوں کو اسلام کا سورج ابھرتا ہوا نظر آ رہا ہے، بہت جلد وہ دیکھ لیں گے کہ ان کی یہ رائے سطحی خوش فہمی کے سوا اور کچھ نہ تھی۔ (۲۲ فروری ۱۹۷۹)

خود نمائی کے شوق میں

ایک صابن ہے۔ اس کا اشتہار اخبارات میں ایک خاص منظر کے ساتھ شائع ہوتا ہے۔ اس منظر میں ایک لڑکی آبشار کے نیچے نہاتی ہوئی دکھائی گئی ہے۔ یہ منظر کسی آرٹسٹ کے برش نے نہیں بنایا ہے۔ وہ ایک حقیقی منظر ہے۔ یہ مہم ۱۹۶۹ میں شروع کی گئی اور برسوں کے بعد تکمیل کو پہنچی۔ اس مقصد کے لئے ایک خاص لڑکی کا انتخاب کیا گیا، جنگل، سمندر اور دوسرے مقامات کا تجربہ کرنے کے بعد بالآخر آبشار کے غسل کو سب سے زیادہ موزوں سمجھا گیا۔ کیوں کہ آبشار کے گرتے ہوئے پانی میں نہلانے کا منظر سب سے زیادہ عوامی کشش رکھتا تھا۔ مختلف آبشاروں کا جائزہ لینے کے بعد کوڈائی کنال کو مقام غسل کے لئے چنا گیا۔

سب سے مشکل یہ تھا کہ یہ کام صرف جاڑوں میں ہو سکتا تھا۔ کیوں کہ اسی موسم میں پہاڑی آبشاروں میں تیز دھارا ہوتا ہے۔ دوسری طرف اس مقصد کے لئے ایک نازک لڑکی کا انتخاب ضروری تھا جو نہاتے وقت "پانی کی پری" معلوم ہو۔ یہ ایک جان جوکھم منصوبہ تھا۔ مگر ماڈلنگ کے پیشہ نے اس کو آسان بنا دیا۔ ایڈورٹائزنگ کمپنی کا عملہ جس کو انتظام کرنا اور فوٹو لینا تھا، مکمل طور پر گرم کپڑوں سے لدا ہوتا تھا۔ دوسری طرف ان کی پارٹی کی سب سے زیادہ نازک اور کمزور ممبر صبح ۷ بجے ٹھٹھرتے ہوئے پانی کے ریلے میں چھلانگ لگاتی تھی۔ پھسلتی ہوئی چٹانوں پر پانی کے مسلسل گرتے ہوئے دریا کے نیچے اس کو اس طرح نہانا پڑتا تھا کہ اس کے چہرے پر صرف فرحت اور خوش گواری کی ہنسی ہو۔ خوف اور گھبراہٹ کی کوئی علامت اس پر ظاہر نہ ہونے پائے۔ کیڑے مکوڑے اور پانی کے سانپ ان سب کے علاوہ تھے۔ کمپنی کے لوگوں کو کبھی لڑکی کو جگانا نہیں پڑا۔ وہ ہر روز صبح کو ۵ بجے اپنے گھر پر تیار ملتی تھی۔

یہ واقعہ درجن سے زیادہ بار دہرایا گیا اور ہزاروں کی تعداد میں فوٹو لئے گئے۔ پھر اس ایک فوٹو کا انتخاب ہوا جو آج لوگوں کو اخبار کے اشتہارات میں نظر آتا ہے۔ لڑکی کے لئے اس ایک فوٹو کی قیمت تھی پندرہ ہزار روپیہ —— ماڈلنگ کا یہ پیشہ آج ساری دنیا میں بہت بڑے پیمانہ پر رائج ہے۔

"کیا چیز ہے جو لڑکوں اور لڑکیوں کو ماڈلنگ کے اس سخت کام کی طرف راغب کرتی ہے"۔ ایڈورٹائزنگ کمپنی کے ایک افسر نے اس سوال کے جواب میں کہا:

It is, primarily, a case of vanity (Famina, 22.7.1978)

بنیادی طور پر اس کی وجہ نمود و نمائش کا جذبہ ہے۔ کیوں کہ اس کے بعد ہر طرف اس کو اخبارات و رسائل میں اپنا چہرہ چھپا ہوا دکھائی دینے لگتا ہے —— خود نمائی کا یہ جذبہ جو ایک "پروفیشنل ماڈل" کو جان جوکھم کام کی طرف لے جاتا ہے وہی ایک "لیڈر" کے کام کا محرک بھی ہے۔ اگرچہ اول الذکر کے مظاہروں کو پیشہ ورانہ نمائش کہا جاتا ہے اور ثانی الذکر کے اسی قسم کے مظاہروں کو قربانی کے پُر فخر نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ انسان کا حقیقی کمال یہ ہے کہ وہ خود نمائی کے شوق سے اوپر اٹھ جائے۔ اگرچہ تمام کاموں میں انسان کے لئے سب سے زیادہ مشکل کام یہی ہے۔

دین کیا ہے۔ دین یہ ہے کہ آدمی کے اندر آخرت کی فکر پیدا ہو جائے ــــ اللہ سے تعلق، موت کی یاد، جہنم کا اندیشہ، یہ چیزیں اس پر اتنا چھا جائیں کہ وہ ہر وقت اسی کے لئے سوچے، اس کے ہر قول و عمل سے اسی کا اظہار ہونے لگے۔ مگر موجودہ زمانہ میں یہی چیز اجنبی ہو گئی ہے۔ ہر طرف دین کا غلغلہ برپا ہے مگر دین کی جو اصل روح ہے وہی کہیں نظر نہیں آتی۔ حقیقت یہ ہے کہ زندگی کی دو قسمیں ہیں۔ ایک دنیا میں جینا۔ دوسرے، آخرت میں جینا۔ غیر اسلامی زندگی یہ ہے کہ آدمی اسی دنیا میں جی رہا ہو۔ اس کے برعکس اسلامی زندگی یہ ہے کہ آدمی آخرت میں جینے لگے۔ خدا کی اس کائنات میں وہ ابھی سے پہنچ جائے جہاں بالآخر ہر ایک کو پہنچنا ہے۔

دین دار بننا دراصل آخرت کی فضاؤں میں جینا ہے۔ مگر عام طور پر لوگ دین کی اہمیت کو آخرت کی سطح پر سمجھ نہیں پاتے۔ اس لئے وہ خدا کے دین کو دنیا کی سطح پر اتار لاتے ہیں ــــــ دین سے مال اور اولاد میں برکت حاصل کرنا، دین کو معاشی اور سیاسی نظام کی صورت میں دیکھنا، دین کو سماج سدھار کی ایک اسکیم کی حیثیت سے پیش کرنا، دین کو سیکولرازم اور سوشلزم کی اصطلاحوں میں بیان کرنا، وغیرہ یہ ساری چیزیں اس بات کا ثبوت ہیں کہ آدمی دین کی اہمیت کو آخرت کی سطح پر نہ پا سکا۔ وہ اس کو اس دنیا کی سطح پر اتار لایا ہے جہاں وہ خود جی رہا ہے۔

ایک شخص دنیا میں محنت کرے اور عزت، دولت، عہدہ اور اعوان و انصار حاصل کرلے تو لوگ اس سے دبتے ہیں اور اس کا لحاظ کرنے لگتے ہیں۔ کیوں کہ لوگ جس معبودِ دنیا کے قائل ہیں، اس نے اس معبود کو اپنی پشت پر جمع کر لیا ہے۔ اس کے برعکس جو شخص آخرت کی فکر کرے اور اس فکر کی وجہ سے دنیا کے ساز و سامان اپنے گرد جمع نہ کر سکے وہ لوگوں کی نظروں میں حقیر ہو جاتا ہے، کیوں کہ لوگ جس معبود سے واقف ہیں، وہ معبود انھیں اس کے آس پاس دکھائی نہیں دیتا۔ مگر قیامت کا دھماکا جب جھوٹے معبودوں کا خاتمہ کر دے گا تو اچانک لوگ جان لیں گے کہ وہ آخرت پسند شخص جس کو انھوں نے بے قیمت سمجھ لیا تھا وہی سب سے زیادہ قیمت والا انسان تھا۔ کیوں کہ اس کی پشت پر وہ خدا کھڑا ہوا تھا جو زمین و آسمان کے تمام خزانوں کا مالک ہے جھوٹے معبودوں پر بھروسہ کرنے والے اس دن اس حال میں ہوں گے کہ کسی دیوار کا سایہ بھی ان کے لئے نہ ہوگا جہاں وہ پناہ لے سکیں۔

حقیقت کی آواز آدمی کے کان کے پردہ سے ٹکراتی ہے۔ اس کا دل اس کی صداقت کا اقرار کرتا ہے۔ مگر اپنے جاننے والوں کے درمیان اپنے مقام کو باقی رکھنے کی خاطر وہ حقیقت کا انکار کر دیتا ہے۔ وہ بھول جاتا ہے کہ عوام کے نزدیک اپنے درجہ کو باقی رکھنے کی کوشش میں وہ خدا کے نزدیک اپنے درجہ کو ختم کر رہا ہے

دنیا بے معنی ہنگامہ آرائیوں کا وقتی اسٹیج نہیں

وما خلقنا السماء والارض وما بینھما باطلا ذلک ظن الذین کفروا فویل للذین کفروا من النار۔ ام نجعل الذین آمنوا وعملوا الصلحت کالمفسدین فی الارض ام نجعل المتقین کالفجار (ص ۲۸-۲۷)

اور ہم نے آسمان اور زمین کو اور جو ان کے درمیان ہے بے فائدہ نہیں بنایا۔ یہ ان کا گمان ہے جو منکر ہیں۔ پس منکروں کے لئے خرابی ہے آگ سے۔ کیا ہم ایمان والوں اور اچھے کام کرنے والوں کو ان کے برابر کر دیں گے جو زمین میں فساد کرتے ہیں یا ہم ڈر رکھنے والوں کو ڈھیٹ لوگوں کے برابر کر دیں گے۔

دنیا میں جو لوگ اپنی خواہشات پر چلتے ہیں اور کسی پابندی کو اپنے لئے ضروری نہیں سمجھتے، وہ گویا یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ یہ کارخانہ خدا نے بے فائدہ کھڑا کر دیا ہے۔ ایسے لوگ خواہ بظاہر اپنے کو دیندار ظاہر کرتے ہوں یا دین سے بالکل بے تعلق ہوں، وہ مفسدین کے گروہ میں شامل ہیں۔ کیوں کہ ان کی ڈھٹائی بتا رہی ہے کہ وہ دنیا کو خدا کی دنیا نہیں سمجھتے بلکہ اس کو اپنی ہنگامہ آرائیوں کا ایک وقتی اسٹیج سمجھتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ وہ جو چاہے کرتے رہیں، کوئی ایسا دن آنے والا نہیں جب کہ انصاف کا ترازو کھڑا ہو اور ان کے عمل کا ان سے حساب لیا جائے۔ اللہ نے اپنے قانون امتحان کی بنا پر ان کو مہلت دے رکھی ہے۔ اس مہلت نے ان کو دھوکے میں ڈال دیا ہے۔ مگر بہت جلد وہ جان لیں گے کہ وہ شدید ترین غلط فہمی میں تھے۔ اگرچہ یہ جاننا ان کے کام نہ آئے گا۔ کیوں کہ وہ وقت اپنے عمل کا بدلہ پانے کا ہوگا نہ کہ عمل کرنے کا۔

ایک شخص وہ ہے جو اپنے رب سے ڈرتا ہے۔ وہ خدا کے بندوں کے درمیان انصاف اور خیر خواہی کے ساتھ زندگی گزارتا ہے۔ وہ اپنے وسائل کو نمائش اور تخریب میں ضائع نہیں کرتا بلکہ اس کو اصلاح اور تعمیر کے کاموں میں لگاتا ہے۔ وہ خدا کے حکم کے آگے جھک جاتا ہے نہ کہ اپنی خواہشوں اور امنگوں کو حق کا معیار سمجھنے لگے۔ دوسری طرف وہ انسان ہے جو خدا کی زمین میں متکبر بن کر رہتا ہے۔ وہ خدا کے دیئے ہوئے مال کو اپنے ذاتی شوق میں برباد کرتا ہے۔ وہ خدا کی دی ہوئی طاقت کو دوسرے انسانوں کی جڑ اکھاڑنے میں لگاتا ہے۔ وہ خدا کی طرف سے ملے ہوئے مواقع کو اپنی بڑائی قائم کرنے میں استعمال کرتا ہے۔ جب کوئی معاملہ پڑتا ہے تو وہ حق کے آگے جھکنے کے بجائے خود حق کو اپنے آگے جھکانے کی کوشش کرتا ہے۔ یہ دونوں انسان مکمل طور پر ایک دوسرے سے مختلف انسان ہیں۔ ان کا انجام ایک ایسی کائنات میں یکساں نہیں ہو سکتا جو حق اور عدل پر بنائی گئی ہے۔ کائنات اپنی اتھاہ معنویت کے ساتھ ایسے انجام کو ماننے سے انکار کرتی ہے جس میں ڈرنے والے اور ڈھٹائی کرنے والے دونوں یکساں ہو جائیں۔ اس قسم کا گمان کائنات پر اور کائنات کے بنانے والے پر اتہام ہے۔ جو لوگ ایسا گمان کریں وہ صرف اپنے جرم میں اضافہ کرتے ہیں، وہ آنے والے انجام کو بدل نہیں سکتے۔ تخلیق کا پورا کارخانہ اپنے خالق کا تعارف ایک عادل اور حکیم ہستی کی حیثیت سے کر رہا ہے پھر کیسے ممکن ہے کہ اس کا خاتمہ ایک ایسے انجام پر ہو جو عدل و حکمت کے سراسر خلاف ہے۔

حاسِبوا قبلَ ان تحاسَبوا (حدیث)

دنیا میں اپنا حساب کرلو ، اس سے پہلے کہ آخرت میں تمہارا حساب کیا جائے

آپ کے ساتھ کوئی شخص غلط سلوک کرے، کسی سے آپ کو کوئی تکلیف پہنچ جائے تو فوراً آپ کے دل کو چوٹ لگتی ہے۔ آپ اس کو ذلیل اور حقیر سمجھنے لگتے ہیں۔ آپ کی نظر میں اس سے زیادہ برا اور کوئی شخص نہیں ہوتا۔

مومن وہ ہے جس کے اندر یہی شدت احساس خود اپنی غلطیوں کے بارہ میں پیدا ہو جائے۔ اس سے کوئی غلطی ہو تو فوراً وہ جان لے کہ مجھ سے غلطی ہوگئی۔ اپنی غلطیوں کو جاننے کے لئے وہ اتنا ہی حساس ہو جائے جتنا کوئی شخص دوسرے کی غلطیوں کو جاننے کے لئے ہوتا ہے۔ غلطی سرزد ہوتے ہی وہ تڑپ اٹھے کہ مجھ سے ایسا فعل ہوگیا جو مجھ کو خدا سے دور کردینے والا ہے۔ جو مجھ کو آخرت میں بے قیمت بنا دینے والا ہے۔ اس کا یہ احساس اتنا شدید ہو کہ اپنا وجود اس کو اپنی نظر میں حقیر معلوم ہونے لگے۔ اپنے احتساب کے لئے وہ اس سے زیادہ بے رحم ہو جائے جتنا کوئی شخص اپنے دشمن کے احتساب کے لئے ہوتا ہے۔

ایسے ہی لوگ اللہ والے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے اپنے آپ کو اللہ کے ہاتھ بیچ دیا تاکہ ان کے لئے اللہ کے یہاں جنت ہو۔ جو لوگ دنیا میں اس قسم کی متقیانہ زندگی کا ثبوت دیں وہی وہ لوگ ہیں جو آخرت کی دنیا میں جہنم سے دور رکھے جائیں گے۔ ان کا رب ان سے ملاقات کے عظیم دن کہے گا کہ آج تمہارے اوپر کوئی الزام نہیں۔ ان کے لئے جنت کے تمام دروازے کھول دیئے جائیں گے اور خدا کی طرف سے پکارنے والا پکارے گا: ابدی باغوں میں بنے ہوئے یہ جنتی مکانات آج تمہاری وراثت میں دے دیئے گئے۔ جس دروازہ سے چاہو اس میں داخل ہو جاؤ۔ آج کے بعد نہ تمہارے لئے کوئی غم ہے اور نہ تکلیف۔

There is an ancient Chinese ceremony in which the parents of a child choose the baby's name.

As soon as the baby is born, all the cutlery in the house of its parents is thrown in the air. The parents then listen to the falling knives, forks, and spoons and choose a name—Ping, Chang, Tang, Fung, Cheung...

چینیوں کے نام ایسے ہوتے ہیں جن میں اکثر ٹن ٹن جیسی آوازیں ہوتی ہیں۔ اس پر کسی نے لطیفہ بنایا کہ چین میں جب کسی کے گھر میں بچہ پیدا ہوتا ہے تو گھر والے نام رکھنے کی تقریب مناتے ہیں۔ اس تقریب میں گھر کی تمام کٹلری (چھری، چمچہ وغیرہ) فضا میں اچھالی جاتی ہے۔ ماں باپ گرتے ہوئے چھری، کانٹے اور چمچے کی آوازیں سنتے ہیں۔ پھر ان آوازوں میں سے کسی آواز کو اپنے بچہ کے نام کے لئے منتخب کر لیتے ہیں۔ مثلاً پنگ، چنگ، ٹنگ، فنگ، چیانگ وغیرہ

لطیفوں سے استدلال کا یہ طریقہ آپ کسی بھی چیز کے خلاف استعمال کر سکتے ہیں۔ قرآن و حدیث سے لے کر عام کتابوں تک کوئی بھی چیز اس کی زد سے محفوظ نہیں۔ ایک شخص سب کو یکساں طور پر اپنی لطیفہ گوئی کا نشانہ بنا سکتا ہے۔ تاہم اس قسم کے "دلائل" کا ایک ہی آزمودہ جواب ہے ــــــ مسکرا کر چپ ہو جانا۔

خدا پاک کو ناپاک سے جدا کرتا ہے

ما کان اللہ لیذر المومنین علی ما انتم علیہ حتیٰ یمیز الخبیث من الطیب وما کان اللہ لیطلعکم علی الغیب ولکن اللہ یجتبی من رسلہ من یشاء فآمنوا باللہ ورسلہ وان تؤمنوا وتتقوا فلکم اجر عظیم (آل عمران ۱۷۹)

اللہ وہ نہیں کہ چھوڑ دے مسلمانوں کو جس طرح پر تم ہو، جب تک جدا نہ کرے ناپاک کو پاک سے۔ اور اللہ یوں نہیں کہ تم کو خبر دار کر دے غیب کے اوپر۔ بلکہ اللہ چھانٹ لیتا ہے اپنے رسولوں میں جس کو چاہے۔ پس تم یقین لاؤ اللہ پر اور اس کے رسولوں پر۔ اور اگر تم یقین پر رہو اور پرہیزگاری کرو تو تم کو بڑا ثواب ہے۔

اللہ کی نظر میں کون اچھا ہے اور کون برا، اس کا حال اسی دنیا میں کھل جاتا ہے۔ مگر اس کا اندازہ معمول کے حالات میں نہیں ہوتا، بلکہ اس وقت ہوتا ہے جب کہ غیر معمولی حالات پیش آئیں۔ جب کہ انسان کو اپنے سانچہ کو توڑ کر اور اپنی زندگی کی روش کو بدل کر اس بات کا ثبوت دینا ہو کہ وہ فی الواقع اللہ پر یقین رکھتا ہے اور اس کی پکڑ سے ڈرنے والا ہے۔ ایک آدمی کے ساتھ جب کوئی غیر معمولی واقعہ پیش آتا ہے تو یہ اللہ کی طرف سے اس کے امتحان کا وقت ہوتا ہے۔ اللہ اس کو ایک معاملاتی جانچ میں ڈال کر دیکھتا ہے کہ وہ خدا سے ڈرنے والا ہے یا اس کے سینہ میں ایسا دل ہے جو اللہ کے خوف سے خالی ہے۔ معاملہ کے وقت وہ بے انصافی کرتا ہے یا انصاف سے کام لیتا ہے۔ وہ ڈھٹائی کے راستہ پر چلتا ہے یا اعتراف کے راستہ پر۔ وہ گھمنڈ کا طریقہ اختیار کرتا ہے یا تواضع کا۔ وہ خدا کے حکم کو نظر انداز کرتا ہے یا اس کے آگے جھک جاتا ہے۔ جب بھی آدمی اپنے آپ کو اس قسم کے دو امکانات کے درمیان پائے تو اس کو سمجھنا چاہئے کہ اس کے رب نے اس کو پل صراط پر کھڑا کر دیا ہے جو بال سے زیادہ باریک ہے۔ ایک طرف اگر وہ جھکتا ہے تو وہ جہنم میں جا گرے گا اور دوسری طرف جھکتا ہے تو جنت میں اپنے آپ کو پائے گا۔

کون خدا کی نظر میں کیا ہے، اس کا اعلان فرشتوں کے ذریعہ نہیں کرایا جاتا۔ اس معاملہ میں اللہ کا طریقہ یہ ہے کہ وہ لوگوں کے درمیان انسانوں میں سے ایک انسان کو کھڑا کرتا ہے اور اس کے ذریعہ سے حق کی آواز کو بلند کرتا ہے۔ اس آواز کو ماننے یا نہ ماننے میں آدمی کا سب سے بڑا امتحان ہوتا ہے۔ اپنے جیسے ایک انسان کی بولی میں خدا کی آہٹ کو پالینا اپنے جیسے ایک انسان کی آواز میں حق کی تجلیات کو پہچان لینا، یہی اللہ کی نظر میں آدمی کا اصل کمال ہے، جو اس کمال کا ثبوت دے وہ اللہ کی نظر میں پاک انسان ہے، اس کے لئے جنت کی سرسبز بستیاں ہیں۔ اور جو لوگ اس جانچ میں ناکام رہیں وہ اللہ کی نظر میں ناپاک لوگ ہیں۔ دنیا میں خواہ وہ کتنے ہی کامیاب نظر آئیں۔ مگر آخرت میں دوزخ کی آگ کے سوا کوئی چیز نہ ہوگی جہاں ان کو ٹھکانا مل سکے۔ آدمی صالح ہے یا غیر صالح، اس کا فیصلہ معمول کے حالات میں نہیں ہوتا بلکہ غیر معمولی حالات میں ہوتا ہے۔ اس کی انصاف پسندی اس وقت کھلتی ہے جب کہ وہ اپنے مخالف سے معاملہ کر رہا ہو۔ اس کی حق طلبی اس وقت معلوم ہوتی ہے جبکہ حق کی آواز اس کو ایک ایسے گوشہ سے سنائی دے جس طرف اس کا گمان نہیں گیا تھا۔
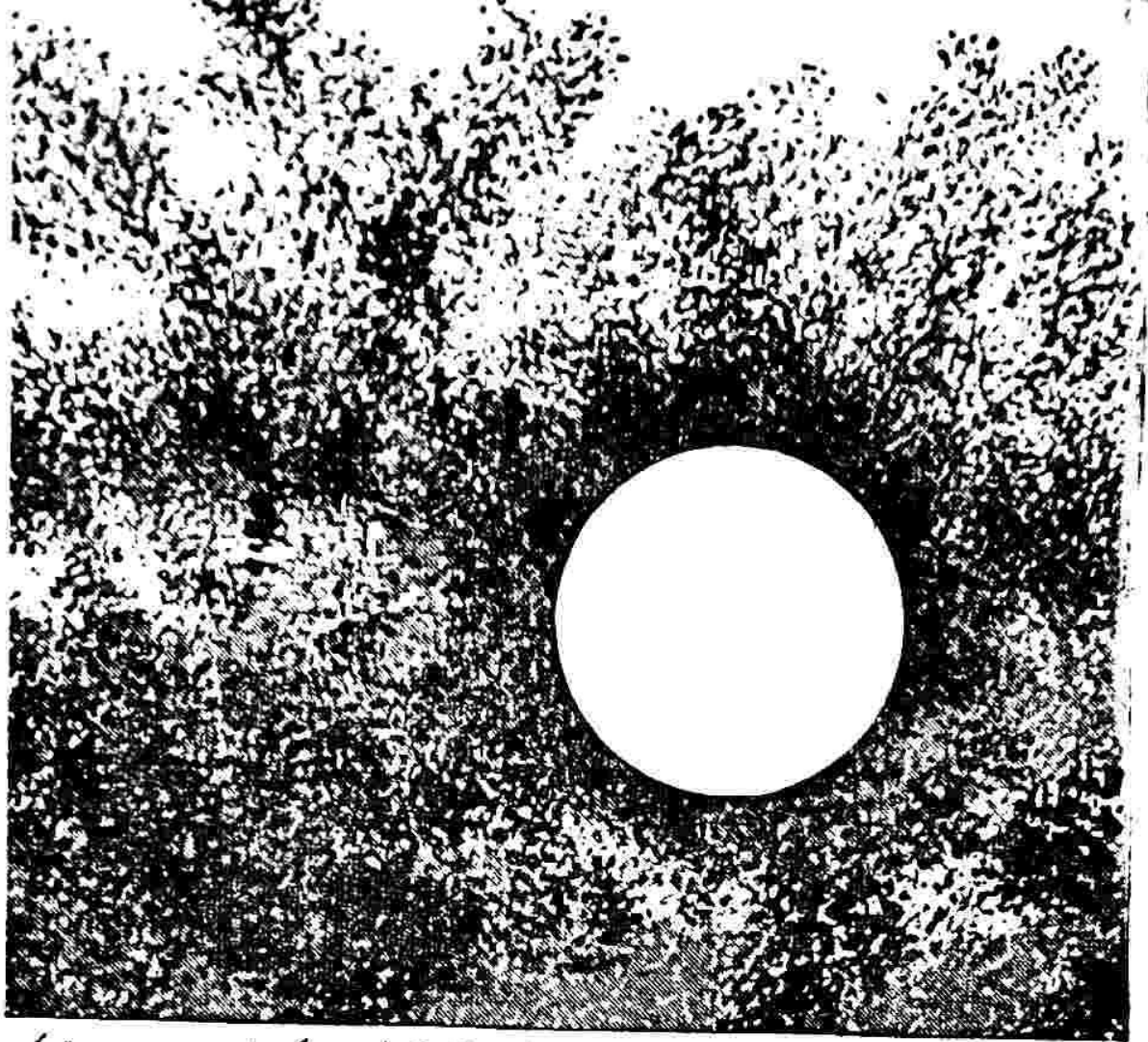
تعمیر ملت اور احیاء اسلام کی مہم

آپ کو آواز دیتی ہے

وقتی جوش کے تحت بڑی قربانی دینا آسان ہے۔ مگر کامیابی کا راز ان چھوٹی چھوٹی قربانیوں میں ہے جو سنجیدہ فیصلہ کے تحت تسلسل کے ساتھ دی جائیں۔ ہم اسی قسم کی ایک چھوٹی قربانی کے لئے آپ سے اپیل کر رہے ہیں۔

وہ لوگ جو الرسالہ کو ضروری اور مفید سمجھتے ہیں۔ ان سے ہماری درخواست ہے کہ وہ اس کی ایجنسی قبول کر کے اس فکری مہم میں ہماری مدد فرمائیں

پانچ پرچہ کی قیمت بعد وضع کمیشن ساڑھے سات روپے ہوتی ہے۔ ہمارا ہر ہمدرد یہ طے کرے کہ وہ پانچ پرچے ہر حال میں منگائے گا۔ اور جب تک خریدار مہیا نہ ہوں لوگوں میں مفت تقسیم کرے گا۔ اور اس وقت تک ساڑھے سات روپے ماہانہ اپنے پاس سے ادا کرتا رہے گا جب تک خریدار نہیں مل جاتے۔

موجودہ حالات میں ایک شخص کے لئے یہ بہت چھوٹی قربانی ہے۔ لیکن اگر ہمارا ہر ہمدرد اس قربانی کو اپنی زندگی میں شامل کرلے تو چند سالوں میں انشاء اللہ بہت بڑے نتائج نکل سکتے ہیں۔

یونیورسٹی کے ایک استاد نے اپنے ساتھی سے ماہنامہ الرسالہ کا تعارف کرتے ہوئے کہا:

IT PRESENTS ISLAM AS A LIVING FAITH

یہ اسلام کو ایک زندہ مذہب کی حیثیت سے پیش کرتا ہے۔

یہ اپنی کمزوری کا اعلان ہے

"کارواں" ایک پندرہ روزہ انگریزی میگزین ہے۔ اس میں ایک انعامی کالم رہتا ہے جس کا عنوان ہے:

میری زندگی میں نقطۂ انقلاب

اس عنوان کے تحت اس کی جون اول ۱۹۸۰ کی اشاعت میں جو واقعہ درج ہے اس کے نیچے محمد داکل کا نام ہے (پتہ درج نہیں ہے)

موصوف لکھتے ہیں کہ میں ایک مسلم خاندان میں پیدا ہوا۔ میری دادی بہت مذہبی تھیں۔ وہ ہم کو بتاتی رہتی تھیں کہ آدمی کی نجات صرف کلمۂ توحید سے ہوگی۔ ۱۰ سال کی عمر میں جب کہ میں چھٹی کلاس میں پڑھتا تھا، میرے اکثر دوست ہندو یا عیسائی تھے۔ یہ احساس مجھے بری طرح ستاتا تھا کہ مرنے کے بعد یہ میرے دوست مجھ سے چھوٹ جائیں گے۔ "ایسی جنت میں جانے سے کیا فائدہ جہاں سبرامنیم اور زیویر میرے ساتھ کھیلنے کے لئے موجود نہ ہوں۔ ایسی جنت سے تو جہنم اچھی"۔ میں عرصہ تک پریشان رہا یہاں تک کہ ایک "تدبیر میرے ذہن میں آئی"۔ میں کلمہ پڑھوں گا اور دوستوں سے کہوں گا کہ تم بھی اس کو زبان سے دہراؤ"۔ اور پھر خدا ان کو بھی جنت میں پہنچا دے گا۔

ایک دن جب کہ میں اپنے دوستوں کے ساتھ باغ میں تھا، میں نے اچانک کہا: لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ سبرامنیم نے یہ سن کر کہا یہ کیا۔ میں نے کہا یہ تمھارے لئے چیلنج ہے۔ کیا تم ان الفاظ کو اپنی زبان سے دہرا سکتے ہو۔ "دہرا دوں تو کیا انعام دوگے"۔ میں نے کہا ایک رنگین پنسل۔ سبرامنیم نے کلمہ کے الفاظ دہرا دیئے۔ اس کے بعد میں نے یہی بات زیویر سے کہی۔

زیویر کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ اس نے کہا، میری ماں مجھ کو بتاتی ہے کہ یسوع مسیح خدا کے بیٹے ہیں۔ جو ان کا انکار کرے گا وہ سیدھا جہنم میں جائے گا۔ زیویر کلمہ کے الفاظ کو نہ دہرا سکا۔

اب میں سخت مشکل میں پڑ گیا۔ اس وقت سبرامنیم بولا۔ "میرے باپ کا کہنا ہے کہ ہندو، مسلم، عیسائی اور سکھ میں کوئی فرق نہیں۔ اصل یہ ہے کہ آدمی آدمی بنے۔ میرا باپ کبھی پوجا نہیں کرتا۔ وہ کہتا ہے اصل عبادت خانہ آدمی کا دل ہے۔" خدا یہ نہیں دیکھے گا کہ تم ہندو ہو یا مسلمان یا عیسائی۔ وہ تو صرف یہ دیکھے گا کہ تم اچھے ہو یا برے۔

اسی دن میرے سر سے بہت بڑا بوجھ اتر گیا۔ میں نے سبرامنیم اور زیویر دونوں کو ایک ایک لال پنسل دی۔ ہم سب بہت خوش ہوئے۔ اس سنہری سہ پہر کو بالآخر ہم نے زندگی کی معنویت کو پا لیا۔ اب میں بڑا ہو چکا ہوں مگر سبرامنیم کے باپ کے الفاظ مجھے بھولتے نہیں۔ ان الفاظ پر میں جتنا زیادہ سوچتا ہوں، ان کی ابدی سچائی کا مجھ کو یقین ہوتا چلا جاتا ہے۔"

اوپر ہم نے کہانی کا خلاصہ درج کر دیا ہے۔ اس کے اندر جو مصنوعی پن ہے، اس سے یہ ظاہر ہے کہ یہ ایک گھڑا ہوا قصہ ہے نہ کہ کوئی سچا واقعہ۔ بظاہر اس کا مقصد یہ ہے کہ سامی مذاہب کے اوپر آریائی مذاہب کی فوقیت ثابت کی جائے۔ مختلف مذاہب کے درمیان تقابل کسی بھی شخص کا ایک علمی حق ہے۔ مگر اس قصہ میں اسلام کی تعلیم کو واضح طور پر بگاڑ کر پیش کیا گیا ہے۔ جب کہ تقابل متعلقہ مذاہب کی حقیقی تعلیمات کے درمیان ہونا چاہئے نہ کہ خود ساختہ تعلیمات کے درمیان۔ تقابل کے لئے فرضی قصوں کا سہارا لینا اپنی کمزوری کا اعلان ہے نہ کہ دوسرے کی کمزوری کا۔

عمل وہی ہے جس میں دنیوی فائدہ اور شہرت کی طلب نہ ہو

ابو داؤد اور نسائی نے ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے ایک روایت ان الفاظ میں نقل کی ہے:

قال جاء رجل الی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فقال ارأیت رجلا غزا یلتمس الاجر والذکر ماله فقال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: لاشیئ له فاعادھا ثلاث مرات۔ یقول رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم لاشیئ له۔ ثم قال ان اللّٰہ لایقبل من العمل الاماکان خالصا وابتغی به وجهه

ایک آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا ایک شخص جہاد کرتا ہے اور اس کے ذریعہ سے وہ دنیوی فائدہ اور شہرت چاہتا ہے، اس کے لئے کیا ہے۔ آپ نے فرمایا اس کے لئے کچھ نہیں ہے۔ یہی سوال اس نے تین بار کیا اور ہر بار آپ نے یہی فرمایا کہ اس کے لئے کچھ نہیں ہے۔ پھر آپ نے فرمایا: اللہ صرف اس عمل کو قبول کرتا ہے جو خالص اسی کے لئے اور اس کی رضا کے لئے ہو

امید اور خوف کے درمیان

ابونعیم نے نقل کیا ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

لونادیٰ منادمن السماء یاایها الناس انکم داخلون الجنة کلکم الارجلا واحدا لخفت ان اکون اناھو۔ ولونادیٰ منادایها الناس انکم داخلون النار الارجلا واحدا لرجوت ان اکون اناھو

(حلیۃ الاولیاء، جلد اول)

اگر آسمان سے کوئی پکارنے والا پکارے کہ اے لوگو تم سب کے سب جنت میں جاؤ گے سوا ایک آدمی کے، تو مجھے ڈر ہوگا کہ میں ہی وہ آدمی ہوں۔ اور اگر پکارنے والا پکارے کہ اے لوگو تم سب کے سب جہنم میں جاؤ گے سوا ایک آدمی کے، تو مجھے امید ہوگی کہ میں ہی وہ آدمی ہوں۔

لوگوں کو معاف کر دینا بھی صدقہ ہے

ابوعبس بن جبر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز لوگوں کو ابھارا کہ وہ جہاد فی سبیل اللہ کے لئے صدقہ دیں۔ لوگ اپنی وسعت کے مطابق لے آئے۔ آپ کے اصحاب میں ایک علبہ بن زید بن حارثہ انصاری رضی اللہ عنہ تھے۔ ان کے پاس کچھ نہ تھا۔ وہ رات کو اٹھے۔ نماز پڑھی اور رو کر اللہ تعالیٰ سے کہا:

اللّٰھم انه لیس عندی ما اتصدق به۔ اللّٰھم انی اتصدق بعرضی علی من ناله من خلقك

خدایا! میرے پاس کوئی ایسی چیز نہیں جس کو صدقہ کروں۔ خدایا! آپ کے بندوں میں سے جس کسی نے میری عزت لی ہو تو میں اس عزت کو صدقہ کرتا ہوں (معاف کرتا ہوں)

صبح کو لوگ جمع ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: این المتصدق هذه اللیلة (آج کی رات صدقہ کرنے والا کہاں ہے) مگر کوئی نہ اٹھا۔ آپ نے دوبارہ یہی سوال کیا، مگر کوئی نہ اٹھا۔ تیسری بار سوال کرنے کے بعد علبہ بن زید رضی اللہ عنہ اٹھے۔ آپ نے فرمایا:

ابشر، فوالذی نفسی بیده لقد کتبت فی الزکاۃ

تم کو خوش خبری ہو۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری

جان ہے، تمھارا عمل قبول کئے ہوئے صدقہ میں لکھ لیا گیا۔

اللہ کو وہ بندہ پسند ہے جو اپنے آپ کو فتنوں سے دور رکھے

عمر بن سعد رضہ اپنے باپ سے نقل کرتے ہیں۔ مسلمانوں کی باہمی جنگ کے زمانے میں ان کے لڑکے عامر نے ان سے کہا: اے میرے باپ! لوگ لڑ رہے ہیں اور آپ گھر پر بیٹھے ہیں۔ انھوں نے کہا: اے میرے بیٹے! کیا تم مجھ سے یہ کہتے ہو کہ میں فتنہ کا سردار بن جاؤں۔ خدا کی قسم میں ایسا نہیں کروں گا۔ جب تک مجھے ایسی تلوار نہ مل جائے کہ اگر میں اس سے مومن کو ماروں تو وہ اچٹ جائے اور اس سے کافر کو ماروں تو میں اس کو قتل کر دوں۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے: اللہ ایسے شخص کو پسند کرتا ہے جو بے نیاز ہو، چھپا ہوا ہو اور اللہ سے ڈرنے والا ہو (ان اللّٰہ یحب الغنی الخفی التقی، البدایہ والنہایہ جلد ۷ صفحہ ۲۸۲)

آدمی اپنے بارے میں غلط فہمی کا شکار ہو جاتا ہے

بزار نے انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقداد بن اسود رضہ کو ایک مقام پر عامل بنا کر بھیجا۔ کچھ دن کے بعد وہ آئے تو آپ نے پوچھا: تم نے اس کام کو کیسا پایا۔ مقداد رضی اللہ عنہ نے کہا: کنت احمل وا وضع حتی رأیت بان لی علی القوم فضلا (لوگ مجھ کو اٹھاتے اور بڑھاتے رہے۔ یہاں تک کہ میں خیال کرنے لگا کہ مجھے لوگوں کے اوپر فضیلت حاصل ہے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: امارت تو اسی طرح کی چیز ہے۔ اب تم چاہے اس کو اختیار کرو یا اسے چھوڑ دو۔ مقداد رضی اللہ عنہ نے کہا: اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے، اب میں دو آدمیوں کے اوپر بھی امیر نہیں بنوں گا۔

جس دل میں خدا کا خوف نہ ہو وہ خدائی کیفیات کو سمجھ نہیں سکتا

غزوہ تبوک نہایت مشکل حالات میں ہوا۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں سے کہا کہ وہ اللہ کے راستہ میں نفقہ دیں۔ لوگوں نے اپنی اپنی وسعت کے مطابق دینا شروع کیا۔ سب سے زیادہ صدقہ کرنے والوں میں سے ایک عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ تھے۔ انھوں نے دو سو اوقیہ دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا: ھل ترکت لاھلک شیئا (کیا اپنے بچوں کے لئے کچھ چھوڑا) انھوں نے کہا ہاں۔ آپ نے پوچھا کیا چھوڑا۔ انھوں نے کہا: جو میں نے صدقہ میں دیا ہے اس سے اچھا اور بہتر۔ آپ نے پوچھا کتنا۔ عبدالرحمٰن بن عوف رضہ نے جواب دیا: ما وعد اللہ ورسولہ من الرزق والخیر (وہ رزق اور خیر جس کا اللہ اور رسول نے وعدہ کیا ہے) ابو عقیل انصاری رضی اللہ عنہ ایک صاع کھجور لے کر آئے۔ انھوں نے کہا۔ آج ساری رات میں نے ایک یہودی کے یہاں پانی کھینچ کر دو صاع کھجور حاصل کی۔ ایک صاع (ساڑھے تین سیر) میں نے اپنے گھر والوں کو دی اور ایک صاع یہاں لایا ہوں: واللہ ما کان عندی شیئ غیرہ وھو یعتذر وھو یستحیی وہ عذر کر رہے تھے اور شرمندہ تھے۔ انھوں نے کہا خدا کی قسم اس کے سوا میرے پاس اور کچھ نہیں۔ دوسری طرف مدینہ کے منافقین کا حال یہ تھا کہ جب کوئی مسلمان زیادہ صدقہ دیتا تو کہتے کہ یہ ریاکار (مرائی) ہے اور دوسری قسم کے لوگوں کی بابت کہتے: ھذا افقر الی صاعہ من غیرہ (یہ شخص اپنے اس ایک صاع کا خود زیادہ محتاج تھا) کنز العمال

ایک گم نام آدمی کا اجر کبھی بڑے آدمیوں سے زیادہ ہوتا ہے

ابن عساکر نے ارطاۃ بن منذر سے نقل کیا ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے ایک روز اپنے پاس بیٹھنے والوں سے کہا ای الناس اعظم اجرا (لوگوں میں کس آدمی کا اجر زیادہ ہے) کسی نے روزہ دار اور نمازی کا ذکر کیا۔ کسی نے کہا امیر المومنین کا اجر زیادہ ہے۔ کسی نے اور کسی کا نام لیا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا میں تم کو بتاؤں کہ جن لوگوں کا تم نے ذکر کیا ان سے زیادہ اور امیر المومنین سے بھی زیادہ اجر کس کا ہے۔ لوگوں نے کہا: ہاں۔ آپ نے فرمایا:

رویجل بالشام آخذ بلجام فرسہ یکلأ من وراء بیضۃ المسلمین، لا یدری اسبع یفترسہ ام ھامۃ تلدغہ او عدو یغشاہ، فذالک اعظم اجرا ممن ذکرتم ومن امیر المومنین

(کنز العمال جلد ۲)

وہ معمولی آدمی جو شام (مقام جہاد) میں اپنے گھوڑے کی لگام پکڑے ہوئے مسلمانوں کے لشکر کی حفاظت کر رہا ہے اسے کچھ خبر نہیں کہ کوئی درندہ اس کو پھاڑ ڈالے گا یا کوئی کیڑا اسے ڈس لے گا یا دشمن اس پر چھاپہ مار دے گا۔ اس شخص کا اجر ان لوگوں سے زیادہ ہے جن کا تم نے ذکر کیا اور امیر المومنین سے بھی۔

ریا سے بچنے والا جواب

طبری نے حضرت عروہ کے واسطے سے نقل کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ عمر رضی اللہ عنہ ایلہ (فلسطین) آئے اور ان کے ساتھ مہاجرین اور انصار کی ایک جماعت تھی۔ آپ نے اسقف کو اپنا کرتہ دیا جو کھدر کے پیوندوں کا تھا۔ لمبے راستہ پر سواری پر بیٹھنے کی وجہ سے کرتا پیچھے کی طرف پھٹ گیا تھا۔ آپ نے اس کو اسقف کو دیا تاکہ وہ اس کو دھو دے اور اس پر پیوند لگا دے۔ اسقف قمیص کو لے گیا۔ اس کو درست کیا اور اس کے ساتھ ایک اور کرتا باریک کپڑے کا سی کر لے آیا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو دیکھ کر پوچھا یہ کیا ہے۔ اسقف نے کہا: یہ تو آپ کی قمیص ہے۔ اس کو میں نے دھویا ہے اور اس میں پیوند لگایا ہے۔ یہ دوسرا میری طرف سے آپ کے لئے ہدیہ ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو دیکھا۔ ہاتھ سے چھوا۔ پھر اپنا کرتا پہن لیا اور دوسرا کرتا اسقف کو واپس کر دیا اور فرمایا:

ھذا انشفھما للعرق (تاریخ طبری جلد ۴)

دونوں میں سے یہ کرتا پسینہ جذب کرنے کے لئے زیادہ اچھا ہے

سب کچھ کر کے بھی دنیا میں قیمت نہ چاہنا

عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ مکہ کے مسلمان ہجرت کر کے مدینہ آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار سے کہا: یہ مہاجرین تمہارے بھائی ہیں۔ وہ اپنے مال اور اولاد کو چھوڑ کر تمہارے پاس آئے ہیں۔ انصار نے کہا: ہمارے پاس کھجور کے باغ ہیں۔ ان میں آدھا مہاجرین کا، آدھا ہمارا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کے علاوہ بھی تو ہو سکتا ہے۔ انصار نے کہا اے خدا کے رسول! وہ کیا۔ آپ نے فرمایا: یہ مکہ کے لوگ کھیتی اور باغبانی نہیں جانتے۔ تم ان کی طرف سے کام کرو اور پیداوار میں تقسیم کر لو۔ انصار نے کہا سمعنا واطعنا (ہم نے سنا اور ہم نے مان لیا) جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ انصار جب فصل کے موقع پر کھجوریں توڑتے تو ہر انصاری یہ کرتا کہ کھجوروں کے دو حصے بناتا۔ ایک حصہ کم ہوتا

اور ایک حصہ زیادہ۔ کم والے حصہ کے ساتھ کھجور کی شاخیں رکھ دیتے۔ پھر بڑا ڈھیر مہاجرین کو دے دیتے اور چھوٹا ڈھیر خود لے لیتے۔ یہ سلسلہ فتح خیبر تک جاری رہا (کنز العمال جلد ۷) امام بخاری نے انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کو بلایا کہ ان کو بحرین کی زمین دے دیں۔ انھوں نے کہا نہیں جب تک مہاجر بھائیوں کو بھی اتنی ہی زمین نہ ملے۔ آپ نے فرمایا:

اما لا فاصبروا حتی تلقونی فانہ سیصیبکم اثرۃ — ایسا ممکن نہیں پھر تم صبر کرو یہاں تک کہ آخرت میں مجھ سے ملو۔ کیونکہ میرے بعد (حکومتی عہدوں میں) تمھارے اوپر دوسروں کو ترجیح دی جائے گی۔

خدا کو شور کے ساتھ پکارنے کی ضرورت نہیں

ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ خیبر کے لئے روانہ ہوئے۔ لوگ ایک وادی کے قریب پہنچے تو انھوں نے بلند آواز سے تکبیر کہی: اللہ اکبر، لا الٰہ الا اللہ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اربعوا علیٰ انفسکم انکم لا تدعون اصم ولا غائبا انکم تدعون سمیعا قریبا وھو معکم (بخاری) لوگو اپنے اوپر نرمی کرو۔ تم کسی بہرے یا غائب کو نہیں پکار رہے ہو۔ تم ایک ایسی ذات کو پکار رہے ہو جو سننے والی اور قریب ہے اور وہ تمھارے ساتھ ہے۔

آخرت کے حساب سے کانپنا

ابن ابی شیبہ اور بیہقی نے ضحاک کے واسطے سے نقل کیا ہے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک چڑیا کو درخت پر بیٹھے ہوئے دیکھا۔ آپ نے فرمایا: اے چڑیا! تو کیسی خوش نصیب ہے۔ کاش میں بھی تیری طرح ہوتا۔ تو درخت پر بیٹھتی ہے اس کا پھل کھاتی ہے، پھر اڑ جاتی ہے۔ تیرے اوپر نہ کوئی حساب ہے اور نہ عذاب۔ خدا کی قسم مجھے یہ زیادہ پسند ہے کہ میں راستہ کے کنارے کا ایک درخت ہوتا۔ میرے پاس سے ایک اونٹ گزرتا، مجھے پکڑتا اور مجھ کو اپنے منھ میں داخل کر لیتا۔ مجھے چباتا، مجھے نگل لیتا اور پھر مینگنی کر کے باہر نکال دیتا۔

اپنے عمل کو بے قیمت سمجھنا

ابن عساکر نے عبداللہ بن عمر رض سے روایت کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ عمر رضی اللہ عنہ ابوموسیٰ اشعری رض سے ملے۔ آپ نے فرمایا: اے ابوموسیٰ! کیا تم کو یہ پسند ہے کہ تم نے جو عمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہ کر کیے، وہی تمھارے لئے ہوں، اور تم اپنے عمل سے برابر سرابر چھوٹ جاؤ۔ خیر شر سے اور شر خیر سے برابر ہو جائے، نہ تمھارے لئے کوئی ثواب ہو نہ عذاب، ابوموسیٰ اشعری رض نے کہا: نہیں اے امیر المومنین! خدا کی قسم میں بصرہ آیا اور ظلم کرنا ان کے اندر عام تھا۔ پھر میں نے ان کو قرآن اور سنت کی تعلیم دی۔ ان کے ساتھ اللہ کی راہ میں غزوہ کیا: وانی لارجوا بذلک فضلہ (میں ان اعمال کے ذریعہ اللہ کے فضل کی امید رکھتا ہوں) عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

لکن وددت ان خرجت من عملی خیرہ بشرہ و شرہ بخیرہ کفافا لا علیّ ولا لی وخلص لی عملی مع — لیکن مجھے یہ پسند ہے کہ میں اپنے عمل سے اس طرح نکل جاؤں کہ خیر شر سے اور شر خیر سے برابر ہو جائے۔ میرے اوپر نہ کوئی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المخلص — اگناہ ہو اور نہ کوئی ثواب۔ میرے لئے وہی عمل رہ جائے جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کئے۔

محنت کی کمائی سے خرچ کرنا

بیہقی نے حضرت حسن سے روایت کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے عثمان رضی اللہ عنہ سے کہا: اے مال والو! تم لوگ بھلائی میں آگے بڑھ گئے۔ تم لوگ صدقہ کرتے ہو، حج کرتے ہو، انفاق کرتے ہو۔ عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا تم لوگ ہمارے اوپر رشک کرتے ہو۔ آدمی نے کہا ہاں۔ آپ نے فرمایا: فو اللہ لدرھم ینفقہ احد من جھد خیر من عشرۃ آلاف غیض من فیض (شعب الایمان) خدا کی قسم وہ ایک درہم جو ایک شخص اپنی محنت کی کمائی سے خرچ کرتا ہے، ان دس ہزار درہموں سے بہتر ہے جو بہت بڑے ڈھیر سے خرچ کئے گئے ہوں

اپنے ماتحتوں پر اپنی ذات کو ترجیح نہ دینا

ابن عساکر نے ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ ایک لشکر کے ساتھ شام میں تھے۔ وہاں طاعون پھیل گیا۔ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا تو آپ نے ابو عبیدہ رضی کو خط لکھا کہ مجھے تمھاری ایسی ضرورت پیش آگئی ہے کہ میرے لئے تمھارے بغیر چارہ نہیں۔ میرا یہ خط تم کو رات میں ملے تو میں تم کو قسم دیتا ہوں کہ تم صبح سے پہلے سوار ہو کر میری طرف روانہ ہو جاؤ۔ اور اگر میرا خط دن کو ملے تو میں تم کو قسم دیتا ہوں کہ تم رات سے پہلے سوار ہو کر میری طرف روانہ ہو جاؤ۔ ابو عبیدہ رضی نے خط پڑھا تو کہا کہ میں امیر المومنین کی اس ضرورت کو جان گیا جو ان کو پیش آئی ہے:

انہ یرید ان یستبقی من لیس بباق — امیر المومنین چاہتے ہیں کہ اس کو باقی رکھیں جو باقی رہنے والا نہیں

انھوں نے جواب میں عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ میں مسلمانوں کے ایک لشکر میں ہوں۔ میں خود کو ان کے اوپر ترجیح نہیں دے سکتا۔ میں نے آپ کی ضرورت کو سمجھ لیا ہے جو آپ کو پیش آئی ہے۔ آپ چاہتے ہیں کہ اس آدمی کو باقی رکھیں جو باقی رہنے والا نہیں۔ جب آپ کو میرا یہ خط پہنچے تو آپ مجھ کو اپنے ارادہ سے معافی دیجئے اور مجھ کو ٹھہرنے کی اجازت دیجئے۔ حضرت عمر رضی نے ان کے خط کو پڑھا تو وہ رو پڑے اور ان کی دونوں آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ جو لوگ آپ کے پاس تھے انھوں نے پوچھا: امیر المومنین! کیا ابو عبیدہ رضی کا انتقال ہو گیا۔ آپ نے فرمایا نہیں۔ لیکن گویا کہ ہو گیا۔

کاش میں ایک تنکا ہوتا

ابن ابی شیبہ، ابن عساکر وغیرہ نے عامر بن ربیعہ سے روایت کیا ہے۔ انھوں نے کہا کہ عمر رضی اللہ عنہ نے ایک تنکا زمین سے اٹھا کر اپنے ہاتھ میں لیا اور فرمایا:

یا لیتنی کنت ھذہ التبنۃ، لیتنی لم اخلق، لیتنی لم اکن شیئا، لیت امی لم تلدنی لیتنی کنت نسیا منسیا — کاش میں یہ تنکا ہوتا، کاش میں پیدا نہ کیا جاتا۔ کاش میں کچھ بھی نہ ہوتا۔ کاش میری ماں مجھ کو نہ جنتی۔ کاش میں بھولا بسرا ہوا ہوتا

حق کے معاملہ میں کوئی رعایت نہیں

بنی مخزوم کی ایک عورت نے چوری کی جس کا نام فاطمہ تھا۔ لوگ ڈرے کہ اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے گا۔ لوگوں نے اسامہ بن زید رضؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سفارشی بنا کر بھیجا۔ آپ نے سنا تو آپ کے چہرے پر غصہ کے آثار ظاہر ہو گئے۔ آپ نے کہا: کیا تم مجھ سے اللہ کی حد کے بارے میں بات کرنا چاہتے ہو۔ اسامہ رضؓ نے فوراً کہا: رسول اللہ ص! مجھ سے غلطی ہو گئی۔ میرے لئے مغفرت کی دعا کیجئے۔ پھر آپؐ نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: پچھلی امتیں اس لئے ہلاک ہو گئیں کہ ان کا کوئی شریف چوری کرتا تو اس کو چھوڑ دیتے۔ اور اگر کوئی کمزور چوری کرتا تو اس پر حد جاری کرتے۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے، اگر فاطمہ بنت محمد بھی چوری کرتی تو یقیناً میں اس کا ہاتھ کاٹ دیتا۔ والذی نفس محمد بیدہ، لو ان فاطمۃ بنت محمد سرقت لقطعت یدھا (بخاری و مسلم)

حسد اور کبر سچائی کے اعتراف میں رکاوٹ بن جاتا ہے

غزوۂ احزاب سے پہلے مدینہ کے کچھ یہودی مکہ گئے۔ انھوں نے مکہ والوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف لڑائی پر ابھارا اور کہا کہ تم لوگ مدینہ پر حملہ کرو۔ ہم بھی تمھارا ساتھ دیں گے۔ ان یہودیوں میں حی بن اخطب اور کعب بن اشرف وغیرہ شامل تھے۔ اس وقت مکہ کے سرداروں نے یہودی علماء سے کہا کہ ہم بیت اللہ کے متولی ہیں ہم حاجیوں کی خدمت کرتے ہیں اور کعبہ کو آباد رکھتے ہیں۔ بتاؤ کہ ہمارا دین بہتر ہے یا محمد کا دین (افدیننا خیرام دین محمد) یہودی علماء نے جواب دیا: تمھارا دین ان کے دین سے بہتر ہے اور تم ان سے زیادہ حق پر ہو۔ وانتم اولی بالحق منہ (تہذیب سیرۃ ابن ہشام جزء اول صفحہ ۱۹۶)

انصاف میں چھوٹے اور بڑے برابر ہیں

ابن عبد الحکم نے انس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ مصر کا ایک باشندہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس آیا۔ اس نے کہا: اے امیر المومنین! میں ظلم سے پناہ لینے کے لئے آپ کے پاس آیا ہوں۔ آپ نے فرمایا میں نے تجھ کو پناہ دی۔ مصری نے کہا: مصر کے عامل کے لڑکے محمد بن عمرو بن العاص سے میرا دوڑ میں مقابلہ ہوا اور میں اس سے آگے نکل گیا۔ وہ خفا ہو گیا اور اس نے مجھے کوڑے سے مارنا شروع کیا اور کہتا جاتا تھا: خذھا وانا ابن الاکرمین (یہ لے اور میں بڑے آدمیوں کا بیٹا ہوں) یہ سن کر عمر رضی اللہ عنہ نے عمرو بن عاص رضؓ کو لکھا کہ وہ اپنے لڑکے کو لے کر فوراً مدینہ پہنچیں۔ وہ آئے تو آپ نے مصری کو بلایا اور اس کو کوڑا دے کر کہا کہ اس کو مارو۔ اس نے مارنا شروع کیا۔ عمر رضی اللہ عنہ فرماتے جاتے تھے: اضرب ابن الاکرمین (بڑے آدمیوں کے بیٹے کو مارو) جب وہ لڑکے کو خوب مار چکا تو آپ نے فرمایا کہ اب عمرو بن العاص کو مارو۔ کیوں کہ ان کے لڑکے نے اپنے باپ ہی کے بل پر تم کو مارا ہے (فواللہ ماضربک ابنہ الا بفضل سلطانہ) مصری نے کہا: مجھ کو جس نے مارا تھا، اس کو میں نے مار لیا۔ اب کسی اور کو مارنے کی مجھے حاجت نہیں۔ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر تو ان کو مارتا تو ہم تیری راہ میں حائل نہ ہوتے الا یہ کہ تو خود ہی ان کو چھوڑ دے۔ پھر عمرو بن العاص رضؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا:

تم نے کب سے لوگوں کو غلام بنالیا حالاں کہ ان کی ماؤں نے ان کو آزاد جنا تھا یا عمرو متی تعبدتم الناس وقد ولدتھم امھاتھم احرارا

امیر کی ذمہ داری یہ بھی ہے کہ وہ اپنے ماتحتوں کے کام کو دیکھے

اخرج البیھقی وابن عساکر عن طاؤس ان عمر رضی اللہ قال : ارأیتم ان استعملت علیکم خیرا ممن اعلم ثم امرتہ بالعدل، اقضیت ما علی ۔ قالوا نعم ۔ قال لا ۔ حتی انظر فی عملہ اعمل بما امرتہ ام لا

عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے کہا: بتاؤ اگر میں تمھارے اوپر کسی بھلے آدمی کو عامل بناؤں جس کو میں بھلا جانتا ہوں اور پھر اس کو حکم دوں کہ وہ انصاف کرے تو کیا میں نے اس ذمہ داری کو ادا کر دیا جو میرے اوپر ہے ۔ لوگوں نے کہا ہاں ۔ حضرت عمر رضی نے فرمایا : نہیں، جب تک میں اس کے کاموں کا جائزہ لے کر یہ بھی نہ دیکھ لوں کہ جس چیز کا میں نے اس کو حکم دیا تھا اس پر اس نے عمل کیا یا نہیں ۔

حضرت ابراہیم سے روایت ہے کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ جب کسی کو عامل بناتے اور اس طرف سے کوئی وفد آپ کے پاس آتا تو اس سے پوچھتے: تمھارا امیر کیسا ہے ۔ وہ غلاموں کی عیادت کرتا ہے یا نہیں ۔ جنازہ کے پیچھے چلتا ہے یا نہیں ۔ اس کے دروازہ پر جو لوگ آتے ہیں ان کے ساتھ اس کا رویہ کیسا ہے ۔ وہ نرم ہے یا نہیں ۔ اگر لوگ کہتے کہ اس کا دروازہ نرم ہے اور وہ غلاموں کی دیکھ بھال کرتا ہے تو کچھ نہ کہتے ۔ ورنہ اس سے امارت چھیننے کے لئے فوراً آدمی روانہ کرتے ۔ (کنزالعمال)

فیصلہ میں جانب داری نہیں

ابن عساکر نے علی بن ربیعہ سے روایت کیا ہے ۔ وہ کہتے ہیں کہ جعدہ بن ہبیرہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہا: اے امیرالمومنین! دو آدمی آپ کے پاس آتے ہیں ۔ ان میں سے ایک کا حال یہ ہے کہ آپ اس کے نزدیک اس کی اپنی جان سے بھی زیادہ محبوب ہیں ۔ دوسرے کا حال یہ ہے کہ اگر وہ آپ کو ذبح کر سکے تو ذبح کر ڈالے اور آپ ایسا فیصلہ دیتے ہیں جو پہلے کے خلاف اور دوسرے کی موافقت میں ہوتا ہے ۔ علی رضی اللہ عنہ نے جعدہ کے سینہ پر ہاتھ مارا اور فرمایا: یہ فیصلہ اگر کوئی میری چیز ہوتی تو میں ایسا کرتا ۔ مگر وہ صرف اللہ کی چیز ہے ۔ ان ھذا شیئ لو کان لی فعلت ۔ ولکن انما ذا شیئ للہ (کنزالعمال جلد ۳)

قرآن میں سب سے زیادہ مشغول ہونا

بیہقی نے عاصم بن ابو نجود سے روایت کیا ہے کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ جب اپنے عاملوں کو روانہ کرتے تو ان سے یہ اقرار کراتے کہ تم ترکی گھوڑے پر سوار نہ ہونا، میدے کی روٹی نہ کھانا، باریک کپڑا نہ پہننا، اپنے دروازوں کو

ضرورت مندوں سے بند نہ رکھنا، اگر تم نے ان میں سے کوئی بات کی تو تم سزا کے مستحق ہو گے۔ یہ اقرار لے کر انھیں رخصت کرتے۔ اور جب وہ کسی عامل کو معزول کرتے تو کہتے: میں نے تم کو مسلمانوں کے خون پر مسلط نہیں کیا تھا۔ نہ ان کی کھال اڑانے اور نہ ان کی عزت لینے کے لئے مقرر کیا تھا اور نہ ان کا مال لینے کے لئے۔ میں نے تم کو اس لئے بھیجا تھا کہ تم ان میں نماز قائم کرو، ان کے درمیان ان کا مال غنیمت تقسیم کرو، ان کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو۔ طبری (جلد ۵ صفحہ ۱۹) میں ابوحصین سے نقل کیا ہے جس میں اتنا اور اضافہ ہے: قرآن میں زیادہ سے زیادہ مشغول ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت میں کمی کرو اور میں تمھارا شریک ہوں۔ جردوا القرآن واقلوا الروایۃ عن محمد صلی اللہ علیہ وسلم وانا شریککم

خدا کی کتاب کے سامنے جھک جانا

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ عیینہ بن حصن مدینہ آئے اور اپنے چچازاد بھائی حُر بن قیس کے یہاں ٹھہرے۔ یہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت کا زمانہ تھا۔ آپ قرآن جاننے والوں کو اپنی مجلس میں بٹھاتے اور ان سے مشورہ لیا کرتے تھے، خواہ وہ بوڑھے ہوں یا جوان۔ حُر بن قیس بھی ایک عالم قرآن تھے اور خلیفہ دوم کی مجلس میں آیا کرتے تھے۔ عیینہ نے حُر بن قیس سے کہا: اے میرے بھتیجے! امیرالمومنین کے یہاں تمھاری پہنچ ہے، میرے لئے ان سے اجازت حاصل کرو اور ان سے میری ملاقات کرادو۔ انھوں نے اجازت حاصل کی اور عیینہ کو امیرالمومنین عمر فاروق رضہ کے یہاں لے گئے۔ عیینہ جب وہاں پہنچے تو انھوں نے کہا: ھی یا ابن الخطاب فواللہ ما تعطینا الجزل ولا تحکم فینا بالعدل (اے خطاب کے لڑکے، خدا کی قسم تم نہ ہم کو کچھ دیتے ہو اور نہ ہمارے درمیان انصاف کرتے ہو) عمر فاروق رضہ یہ سن کر غصہ ہو گئے۔ قریب تھا کہ ان پر ٹوٹ پڑیں۔ اتنے میں حر بن قیس بولے۔ انھوں نے کہا: اے امیرالمومنین، اللہ نے اپنے نبی سے فرمایا ہے کہ معاف کرو، معروف کا حکم دو اور جاہلوں سے اعراض کرو (اعراف ۱۹۹) اور یہ شخص یقیناً جاہلوں میں سے ہے۔" عبداللہ بن عباس رضہ کہتے ہیں: خدا کی قسم جب انھوں نے قرآن کی آیت پڑھی تو عمر رضہ فوراً رک گئے۔ اس کے بعد انھوں نے ذرا بھی تجاوز نہیں کیا۔ وہ خدا کی کتاب کے سامنے ہمیشہ گردن جھکا دیتے تھے۔ (بخاری)

بات کو غلط انداز سے کہنے کا اثر نہ لینا

انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جا رہا تھا۔ آپ موٹے کنارے کی نجرانی چادر اوڑھے ہوئے تھے۔ راستہ میں ایک دیہاتی آپ سے ملا۔ اس نے آپ کی چادر پکڑی اور بڑے زور سے آپ کو جھٹکا دیا۔ میں نے دیکھا کہ زور سے کھینچنے کی وجہ سے آپ کے کندھے پر چادر کا نشان پڑ گیا۔ پھر اس نے کہا: یا محمد مُرلی من مال اللہ الذی عندک (اے محمد اللہ کا جو مال تمھارے پاس ہے اس میں سے مجھ کو دلاؤ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس گستاخی کا کوئی اثر نہیں لیا۔ آپ اس کی طرف دیکھ کر مسکرائے اور حکم دیا کہ اس کی ضرورت کے مطابق اس کو بیت المال سے دے دیا جائے (متفق علیہ)

ملی تعمیر کا کام

سب سے پہلے

ملت کے افراد میں

شعور پیدا کرنے کا کام ہے

اس کی

بہترین صورت یہ ہے کہ

الرسالہ کو

ایک ایک بستی اور

ایک ایک گھر میں

پہنچایا جائے۔

تبدیلیٔ مذہب پر پابندی لگانے والا قانون

۱۹۶۸ء میں مدھیہ پردیش اسمبلی میں ایک قانون پاس ہوا۔ بظاہر اس کا نام آزادیٔ مذہب (Freedom of Religion) کا قانون تھا۔ مگر حقیقۃً وہ "اینٹی کنورژن" قانون تھا جس کا مقصد ملک میں تبلیغی سرگرمیوں کو روکنا تھا۔ اس کے بعد اڑیسہ پردیش میں اکتوبر ۱۹۷۰ء میں اسی نام سے ایک قانون پاس کیا گیا۔ اس کے مطابق مذہب تبدیل کرانے والے کی سزا دس ہزار روپے جرمانہ ہے۔ اب مسٹر او۔ پی۔ تیاگی نے اسی (فریڈم آف ریلیجن) کے نام سے لوک سبھا میں ایک بل پیش کیا ہے۔ یہ اگرچہ ایک پرائیویٹ بل ہے۔ تاہم حکمراں پارٹی بظاہر اس کی موافقت میں ہے اور اغلب ہے کہ وہ پاس ہو کر باقاعدہ قانون بن جائے۔

اس کوشش کا مقصد جبری تبدیلیٔ مذہب کو روکنا بتایا گیا ہے۔ اگر اس کا مقصد حقیقۃً یہی ہو تو کسی نئے قانون کی ضرورت نہ تھی۔ موجودہ عام قوانین ہی اس کو روکنے کے لئے کافی ہیں۔ کسی کا مذہب بدلنے میں طاقت (Force) یا فریب (Fraud) کا طریقہ استعمال کرنا اس وقت بھی قانونی جرم ہے۔ پھر نئے قانون کی ضرورت کیوں پیش آئی۔ نئے قانون کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا مقصد یہ ہے کہ "جبر" کے مفہوم کو اتنا وسیع کر دیا جائے کہ غیر جبری تبدیلی مذہب بھی اس کی تعریف میں داخل ہو جائے۔ مسٹر تیاگی کے بل کے مطابق خدا کی ناراضی سے ڈرانا (Threat of Divine Displeasure) بھی جبری طریقوں میں شامل ہے۔ اسی طرح ترغیب (Inducement) کی تشریح میں بتایا گیا ہے کہ Pecuniary or otherwise (مالی یا دوسرے طریقے) بھی اس میں شامل ہوں گے۔ بالفاظ دیگر جنت کی خوش خبری دینا یا روحانی سکون کی امید دلانا بھی وہ چیزیں ہیں جن کو غیر قانونی قرار دیا جا سکتا ہے۔ اس بل کے مطابق ایسے شخص کے لئے ایک سال کی قید اور تین ہزار روپے جرمانہ ہیں۔ اور اگر اس نے ان تدبیروں سے بچہ یا عورت یا پست قبائل کے کسی شخص کا مذہب بدلا تو اس کی سزا دو سال قید اور پانچ ہزار روپے جرمانہ ہے۔ رپورٹ ملتے ہی ایسے شخص کو گرفتار کر لیا جائے گا۔ دستور ہند کی دفعہ ۲۵ میں ہر باشندہ کو ضمیر کی آزادی کی ضمانت دی گئی ہے۔ ہر شخص کو حق ہے کہ وہ جس مذہب کو چاہے اختیار کرے، اس پر عمل کرے اور اس کی تبلیغ کرے۔ مگر اس قانون کے ذریعہ "آزادی" کے نام پر اس دستوری حق کو چھین لیا گیا ہے۔

عیسائی فرقہ عام طور پر ایک پرامن فرقہ ہے۔ مگر اس بل کے خلاف انھوں نے غیر معمولی بے چینی کا اظہار کیا ہے۔ ۲۹ مارچ ۱۹۷۹ء کو بمبئی میں عیسائیوں کا ایک احتجاجی جلوس نکلا جس میں ایک لاکھ عیسائی شریک تھے۔ اس بل کو روکنے کے لئے ان کی طرف سے مسلسل کوششیں ہو رہی ہیں اور تمام عیسائی فرقے، رومن کیتھولک سے لے کر پروٹسٹنٹ اور سیرین کرسچین تک سب اس میں متحد ہو گئے ہیں۔ عیسائیوں کی بے چینی کی وجہ یہ ہے کہ اس بل کی زد عملی طور پر انھیں کے اوپر پڑتی ہے۔ سارے ملک میں، خاص طور پر سرحدی علاقوں کے پس ماندہ قبائل میں ان کی تبلیغی کوششیں بڑے پیمانہ پر جاری ہیں۔ ۱۸۹۴ء میں ناگالینڈ کے علاقہ میں ایک بھی عیسائی نہ تھا، آج وہاں کی آبادی میں ۶۶ فی صد عیسائی بستے ہیں۔ میزورام میں ان کی تعداد ۹۸ فی صد اور کیرلا میں ۲۱ فی صد ہو چکی ہے۔ تاہم مسلم قائدین نے اس معاملہ میں صرف اس اعلان کو کافی سمجھا ہے کہ "ہم اس معاملہ میں اپنے عیسائی بھائیوں کے ساتھ ہیں"۔ مسلم قائدین نے تبلیغ و دعوت کے فریضہ کو اپنی شرعی ذمہ داریوں سے حذف کر رکھا ہے، ایسی حالت میں ان کو اس قسم کے مسائل پر بے چین ہونے کی کیا ضرورت۔

سیرت کے ایک جلسہ (۱۰ فروری ۱۹۷۹) میں شرکت کے لئے جھنجھنوں کا سفر ہوا۔ جھنجھنوں، راجستھان کا شہر ہے جس کو پانچ سو سال پہلے ایک مسلم نواب نے بسایا تھا۔ قدیم دور کی تاریخی عمارتیں اب بھی یہاں موجود ہیں۔ آبادی چالیس ہزار سے کچھ اوپر ہے جس میں تقریباً نصف مسلمان ہیں۔ مسلم اور غیر مسلم بستیاں بڑی حد تک الگ الگ واقع ہیں۔ دونوں فرقوں کے درمیان اچھے تعلقات ہیں۔ یہ علاقہ قائم خانی پٹھانوں کا علاقہ ہے جو فوجی نسل سے تعلق رکھتے ہیں۔ روایتی جنگ کے زمانہ میں وہ اپنی بہادری کے لئے مشہور تھے۔ مگر موجودہ زمانہ میں عضلاتی طاقت کے بجائے علم نے اہمیت حاصل کرلی ہے۔ بدلتے ہوئے زمانہ کے لحاظ سے وہ اپنے آپ کو تیار نہ کرسکے۔ جو دستی طاقت ماضی کے حالات میں ان کو سرداری کے مقام پر پہنچاتی تھی، آج کے حالات میں وہ دستی طاقت صرف مزدوری کے میدان میں اپنا استعمال پارہی ہے۔ تعلیم میں پیچھے ہونا زمانہ سے پیچھے ہونے کے ہم معنی بن گیا۔

۱۰ فروری کو میں صبح سویرے جھنجھنوں پہنچا تو فجر کا وقت ہو چکا تھا۔ مسجد کے امام ایک اچھے قاری تھے۔ انھوں نے نماز میں سورہ فتح پڑھی۔ جب انھوں نے پُرشکوہ لہجہ میں پڑھا: انا فتحنا لك فتحا مبینا ۔۔۔۔ تو اچانک اس کو سن کر ایسا محسوس ہوا جیسے اس سورہ کے الفاظ میں خدا مجھ سے کلام کر رہا ہے۔ پچھلے مہینہ سے کچھ لوگوں نے راقم الحروف کے خلاف حمیت جاہلیہ (فتح ۲۶) کا مظاہرہ کر رکھا ہے۔ اس کا دل پر بے حد اثر تھا۔ قاری صاحب کی زبان سے سورہ فتح کی آیتیں سن کر بے اختیار دل بھر آیا اور یہ دعا نکلی "خدایا! اپنے الفاظ کو تو اس عاجز بندے کے حق میں سچا کر دے"

نماز کے بعد مجھے ایک صاحب کے مکان میں منتقل کر دیا گیا۔ دن کا بیشتر حصہ اسی مکان میں گزرا۔ لوگ ملاقات کے لئے آتے رہے اور دینی موضوعات پر باتیں ہوتی رہیں۔ شام کو کچھ ساتھی مجھ کو درگاہ قمرالدین شاہ کی طرف لے گئے یہ درگاہ شہر کے کنارے ایک پہاڑی کے دامن میں ہے اور وسیع رقبہ میں پھیلی ہوئی ہے۔ درگاہ کی چھت پر ہم کھڑے ہوئے تو پورا شہر ایک نظر میں دکھائی دے رہا تھا۔ سرسبز درختوں کے جھنڈ میں ڈوبے ہوئے مکانات بہت خوش منظر معلوم ہو رہے تھے۔ جب ہم مکان کے اندر تھے تو جھنجھنوں بظاہر ایک "مکان" کا نام تھا۔ مگر جب ہم اس سے باہر نکل آئے تو جھنجھنوں ایک وسیع حقیقت کی صورت میں نظر آنے لگا — آدمی اپنے خول میں ہو تو زندگی ایک سمٹی ہوئی چیز معلوم ہوتی ہے۔ لیکن اگر وہ اپنا خول توڑ کر باہر آجائے تو زندگی ایک آفاقی حقیقت بن جاتی ہے۔

ایک صاحب نے یہاں کا ایک پرانا لطیفہ بتایا جو پوری ملت پر صادق آتا ہے۔ جاہل مسلمانوں میں یہ عقیدہ ہے کہ کوئی مرجائے تو ملا (قاضی) کو بلا کر میلاد پڑھوا دو۔ اس کے بعد مردہ پر دوزخ کی آگ حرام ہو جاتی ہے اور وہ جنت

مکہ میں جب خدا کے دشمنوں نے خدا کے رسولؐ کو گھر سے بے گھر کرنے کا منصوبہ بنایا تو خدا نے اپنے رسول کے لئے دوسرا زیادہ بڑا دروازہ کھول دیا، اس نے مدینہ کو اسلامی دعوت کا مرکز بنا دیا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی خاص سنت ہے۔ وہ ایک کو حق کا راستہ روکنے کا مجرم ثابت کرکے دوسرے کو حق کا استقبال کرنے کا اعزاز دیتا ہے۔ وہ ایک کو ڈسکریڈٹ کرکے دوسرے کو کریڈٹ عطا فرماتا ہے۔ (۶ فروری ۱۹۷۹)

میں چلا جاتا ہے۔ ایک کسان کھیتوں پر کام کر کے دوپہر کو اپنے گھر آیا۔ اس کو بھوک لگ رہی تھی۔ وہ خود نماز نہیں پڑھتا تھا مگر عورت نماز پڑھتی تھی۔ وہ گھر ایسے وقت میں پہنچا کہ عورت ظہر کی نماز شروع کر چکی تھی۔ کسان کو انتظار سخت معلوم ہوا۔ اس نے کہا یہ کیا مصیبت ہے کہ مجھ کو بھوک لگ رہی ہے اور تمھاری نماز ختم نہیں ہوتی۔ عورت نے نماز کے بعد کہا: آپ نماز نہیں پڑھتے اور نماز کو برا بھی کہتے ہیں۔ آپ کو جنت کیسے ملے گی۔ آدمی نے اپنی مارواڑی زبان میں کہا کہ جنت ملنا کیا مشکل ہے:

"دیا کا جیڑے نے ایک روپیہ اور ٹھُے جنت کے ماں"

یعنے قاضی کو ایک روپیہ دو اور فوراً جنت کے اندر پہنچ جاؤ۔ (پہلے میلاد پڑھنے والے ملا یا قاضی کو صرف ایک روپیہ دینا کافی ہوتا تھا) موجودہ زمانہ میں ہر ایک نے اسی طرح سستے داموں اپنی جنت حاصل کر رکھی ہے۔ آج نہ کسی کو اپنے نفس کو دبانے کی ضرورت ہے نہ اپنے مصالح کو قربان کرنے کی۔ نہ کسی کو اللہ کی مقرر کی ہوئی حدوں میں اپنے کو باندھنے کی ضرورت ہے نہ جہنم کے اندیشے سے پگھلنے کی۔ نہ کسی کو خوف خدا میں آنسو بہانے کی ضرورت ہے اور نہ حق نہ انصاف کے آگے اپنا سر جھکانے کی۔ نہ خدا کے دین کو سمجھنے کے لئے کسی جدوجہد کی ضرورت ہے اور نہ اللہ کی راہ میں اپنا مال دینے کی۔ ہر ایک کے لئے بس اتنا کافی ہے کہ "ایک روپیہ" خرچ کر کے اپنی پسندیدہ "میلاد" کا تماشا دکھائے اور اس کے بعد بے کھٹکے جنت میں پہنچ جائے۔ "میلاد" کی صورتیں الگ الگ ہیں۔ مگر یہ بات سب میں مشترک ہے کہ ہر ایک کسی نہ کسی سستی کارروائی کو جنت کا محفوظ ٹکٹ سمجھے ہوئے ہے۔ ہرے بھرے درخت پر ایک پھول اگانے کے لئے کائناتی منصوبہ بندی درکار ہوتی ہے۔ زمین و آسمان میں بے شمار قسم کی انتہائی بامعنی سرگرمیاں جاری ہوتی ہیں تب درخت کی شاخ پر ایک حسین پھول وجود میں آتا ہے۔ مگر جنت۔ جو ایک پھول سے کھرب ہا کھرب گنا زیادہ حسین ہے، اس کے متعلق لوگوں نے سمجھ لیا ہے کہ وہ سطحی تماشوں سے حاصل ہو جائے گی۔

۱۱ فروری کو ہم پلانی دیکھنے گئے۔ پلانی ایک معمولی گاؤں تھا جو مشہور صنعت کار برلا کا آبائی وطن ہے۔ برلا نے اس کو جدید طرز پر ترقی دی اور اس کو ایک خوبصورت شہر بنا دیا۔ یہاں ترقی یافتہ فارم ہیں جن کی فواروں سے آب پاشی کی جاتی ہے۔ سائنسی تعلیم اور ٹکنکل تربیت کے ادارے ہیں۔ ایک بہت بڑا میوزیم ہے جہاں عملی نمونوں کے ذریعے دکھایا گیا ہے کہ قدرت کی طاقتوں کو استعمال کر کے آج کے انسان نے کس طرح ترقیات حاصل کیں۔ پہیہ کی دریافت سے لے کر جہاز سازی اور خلائی راکٹ تک ہر چیز اس کے اندر نہایت سلیقہ کے ساتھ سجائی گئی ہے۔ اس میوزیم کو ترتیب دینے والے ایک مسلمان تھے۔ انھیں کی نگرانی میں پورا کام ہوا ہے۔ کوئی شخص اپنی کمائی کو تعمیری سرگرمیوں میں کس طرح لگائے، پلانی اس کا ایک اچھا نمونہ پیش کرتا ہے۔

میوزیم میں عجائب قدرت کے نمونے دیکھ کر نکلے تو ظہر کا وقت ہو گیا تھا۔ ایک پارک میں نماز ادا کی گئی۔ نماز کے بعد کچھ وقت پارک میں گزرا۔ کھلی فضا، خالص ہوا، سنہری دھوپ، پھولوں کی قطاریں، درختوں کے مناظر، ان چیزوں نے دل کی عجیب کیفیت کر دی۔ میں نے سوچا: وہ خدا جو کائنات کی سطح پر انتہائی معنویت کا اہتمام کر رہا ہے، وہ انسانی سطح پر کیا بے معنی کارروائیوں پر راضی ہو گیا ہے۔ آسمان کی وسعت، سورج کی روشنی، ہوا کے جھونکے، پھولوں

کی نزاکت، درختوں کی سرسبزی، اپنے خالق کا تعارف ایک ایسی ہستی کی حیثیت سے کر رہی ہیں جو ناقابل قیاس حد تک جمال و کمال کا مجموعہ ہے۔ تتلیوں کے حسین پروں سے لے کر پھولوں کی نازک پنکھڑیوں تک، زمین کے سبزہ سے لے کر آسمان کے جگمگاتے ہوئے ستاروں تک ہر چیز کہہ رہی ہے کہ جس نے اس کو بنایا ہے وہ بے حد لطیف ذوق کا مالک ہے مگر کیسی عجیب بات ہے کہ اسی خدا کی طرف ہم نے ایک ایسے مذہب کو منسوب کر رکھا ہے جس میں حسن اور لطافت جیسی کوئی چیز نہیں۔ وہ، مذکورہ لطیفہ کے مطابق، بس یہ ہے کہ: دیا کا جیتڑے نے ایک روپیہ اور کٹھے جنت کے ماں :

أئفكاً آلهة دون الله تريدون - فما ظنكم برب العالمين (صافات) کیا جھوٹ موٹ کے معبودوں کو اللہ کے سوا چاہتے ہو۔ آخر کیا خیال کر رکھا ہے تم نے رب العالمین کے بارہ میں۔

کائنات کی سطح پر خدا ایک حسین اور لطیف ہستی کے روپ میں دکھائی دیتا ہے۔ وہ اعلیٰ ترین واقعات کو اعلیٰ ترین اہتمام کے ساتھ وجود میں لاتا ہے۔ مگر انسان کی سطح پر خدا جو کچھ چاہتا ہے وہ یہ ہے کہ ہم کچھ بے روح رسموں کو دہرائیں اور وہ زندہ جنتوں کے دروازے ہمارے لئے کھول دے۔ ہم کچھ رٹے ہوئے الفاظ کی تکرار کریں اور وہ معنویت کے خزانے ہمیں بخش دے۔ ہم مناظروں اور لفظی موشگافیوں میں مشغول ہوں اور وہ ہم کو ربانی عالم ہونے کا لقب عطا کرے۔ ہم توڑ پھوڑ کی سیاست چلائیں اور وہ ہم کو نظام صالح قائم کرنے کا کریڈٹ دے۔ ہم جلسوں اور تقریروں کے تماشے دکھائیں اور وہ ہمارے لئے عملی اور تعمیری جد و جہد کا سرٹیفکٹ جاری کرے۔ ہم عوام کی جذباتیت کا استحصال کر کے لیڈری کا کاروبار کریں اور وہ اپنے یہاں ہمارا نام مخلص خادموں کی فہرست میں لکھ لے۔ ہم نذرانے اور استقبال کی خاطر دورے کریں اور وہ اپنے فرشتوں سے کہے کہ دیکھو یہ میرا محبوب بندہ ہے جس نے میری راہ میں اپنے قدموں کو گرد آلود کیا۔

۱۱ فروری کو جب کہ ہم پلانی کا سائنسی شہر دیکھ رہے تھے، کیمپس کی ایک سڑک پر میری ملاقات ایک رکشہ والے سے ہوئی۔ یہ سترہ سال کا ایک نوجوان تھا۔ اس کے چہرے پر شرافت کے آثار دیکھ کر مجھے دل چسپی ہوئی "تمھارا نام کیا ہے"، میں نے پوچھا "ممتاز خاں"، جھکے ہوئے عزم کے ساتھ اس نے جواب دیا۔

Mumtaz Khan
C/O Metro Tailors
Nutan Market
Pilani 33313 (Rajasthan)

اس نے بتایا کہ اس کے باپ کا انتقال ہوگیا۔ گھر کے حالات نے مجبور کر دیا کہ وہ رکشا چلا کر اپنی روزی حاصل کرے۔ اس کو تعلیم کا شوق ہے مگر تعلیم کی قیمت ادا کرنے کے لئے وہ پیسہ کہاں سے لائے۔ پلانی جہاں دوسرے نوجوان اپنا تعلیمی سفر کامیابی کے ساتھ طے کر رہے ہیں، وہ وہاں کی سڑکوں پر رکشا کھینچ کر اپنی زندگی کے دن پورے کر رہا ہے۔ مجھ کو وہ اونچا مینار یاد آیا جو میں نے پچھلے روز دیکھا تھا۔ مجھ کو بتایا گیا کہ اس منقش مینار پر اب تک ایک لاکھ روپے خرچ ہو چکے ہیں اور اس کی تعمیر کا کام ابھی جاری ہے۔ میں نے سوچا: اینٹ پتھر کے میناروں کو بلند کرنے کے لئے اتنا جوش دکھایا جا رہا ہے اور انسانی میناروں کو بلند کرنے سے کسی کو دل چسپی نہیں۔ اور یہ اس رسول کے امتی کر رہے ہیں جس نے فرمایا تھا: ما امرت بتشييد المساجد (مجھے

مساجد کی عمارتیں بلند کرنے کا حکم نہیں دیا گیا ہے) قوم کے اندر اس قسم کے کتنے نوجوان ہیں جو قدرت سے بہترین صلاحیت لے کر پیدا ہوتے ہیں۔ مگر حالات ان کی صلاحیتوں کو ابھرنے نہیں دیتے۔ اور جو لوگ اس پوزیشن میں ہیں کہ ان کی مدد کر کے ان کو اٹھائیں، ان کے پاس اپنی دولت کا مصرف نمائشی کاموں کے سوا اور کچھ نہیں۔

۱۰ فروری کی شام کو سیرت کے موضوع پر ایک تقریر ہوئی۔ اور مسجد میں دو دن نماز فجر کے بعد قرآن کا درس ہوا۔ ۱۱ فروری کی شام کو میں دہلی واپس آگیا۔

ایک بار مجھے راجستھان کی ایک اور بستی میں جانے کا اتفاق ہوا۔ یہاں سڑک کے کنارے ایک مسجد تھی۔ مسجد کافی کشادہ اور پختہ بنی ہوئی تھی۔ مگر عرصہ سے ویران پڑی ہوئی تھی۔ مسجد کے اندرونی حصہ میں ابابیلوں کا قبضہ تھا اور صحن کا یہ حال تھا کہ جگہ جگہ بے ترتیب مٹی کے ڈھیر پڑے ہوئے تھے۔ ہمارے ساتھیوں نے بستی والوں کو کہہ سن کر تیار کیا کہ مسجد کو آباد کریں اور وہاں ایک مکتب شروع کریں۔ ایک نوجوان کو تیار کیا گیا کہ وہ امام اور مدرس کی حیثیت سے اس مسجد میں قیام کریں اور اس طرح بستی کی اصلاح کا کام شروع ہو۔

"مسجد کا حال آپ دیکھ رہے ہیں" ، نوجوان نے کہا "یہ تو کوڑا خانہ ہو رہی ہے۔ یہاں بھلا کون سا کام کیا جا سکتا ہے" میں نے کہا کہ آپ یہ نہ دیکھئے کہ اس وقت مسجد کا نقشہ کیا ہے۔ بلکہ یہ دیکھئے کہ مستقبل میں آپ اس کو کیا بنا سکتے ہیں۔ مسجد کی یہ حالت آپ کو کام کرنے کا زبردست موقع دے رہی ہے۔ آپ یہ کیجئے کہ مسجد کی صفائی کیجئے، اس کی سفیدی کرائیے۔ اس کے صحن کو درست کر کے یہاں درخت اور پھول لگائیے۔ یہ گویا بستی والوں کے سامنے آپ کا عملی تعارف ہوگا

اس طرح آپ ان کو بتائیں گے کہ آپ وہ شخص ہیں جو کوڑا خانہ کو گلزار بناتے ہیں۔ وہ بستی جو آج آپ کا استقبال کوڑا خانہ کے ساتھ کر رہی ہے، وہ آپ کو اپنے محبوب کی حیثیت سے قبول کرے گی۔ اس کے بعد میں اور میرے تمام ساتھی مسجد کی صفائی میں لگ گئے۔ چند گھنٹے میں مسجد صاف ستھری ہو گئی

مسجد اور مدرسہ کے لوگ عام طور پر چندے اور نذرانے کے طریقوں سے واقف ہیں۔ وہ خدا کی زمین کو گل و گلزار بنا کر اس سے خدا کی نعمتوں کی فصل کاٹنا نہیں جانتے۔

ہر مسجد اور ہر مدرسہ میں یہ موقع ہے کہ اس کی زمین کو صاف ستھرا کیا جائے۔ وہاں کیاریاں بنائی جائیں۔ اس میں درخت اور سبزیاں اور پھول بوئے جائیں۔ اس میں بیک وقت کئی فائدے ہیں۔ یہ ایک صحت بخش مشغلہ ہے۔ اس سے کم از کم جزئی طور پر معاش حاصل کی جا سکتی ہے۔ یہ اللہ کے رزق کو خود اللہ سے مانگنا ہے۔ وغیرہ

کوئی سننے والا ہے جو سنے؟

دفتر کے صحن میں دوڑنے کی آواز نے مجھے چونکا دیا، دیکھا تو ہاکر ہاتھ میں اخبار لئے بھاگا چلا آ رہا ہے۔ یہ اس کا روزانہ کا معمول ہے۔ صبح کا اخبار اول ترین وقت میں تمام خریداروں کے پاس پہنچانے کا اس کو اتنا خیال ہے کہ وہ دوڑتا ہوا چلتا ہے۔ اور اگر اخبار لینے کے بعد اس سے کوئی سوال کیا جائے تو وہ ٹھہر کر اس کا جواب نہیں دے گا بلکہ واپس بھاگتے ہوئے کہتا چلا جائے گا۔ وہ دوڑ رہا ہے تاکہ وہ بھاگتے ہوئے وقت کو پکڑ لے، تاکہ وہ وقت کے پیچھے نہ رہ جائے۔

یہ دنیا کے لئے انسان کی دوڑ دھوپ کی ایک مثال ہے جس کو آپ اپنے قریب ترین دیکھ سکتے ہیں۔ اس کے مقابلے میں اگر آپ کا حال یہ ہو کہ آپ صبح کی "چائے" میں طویل وقت صرف کرنے کے بعد اپنے ساتھیوں کے درمیان بے تکلف باتیں کرتے ہوئے نہایت اطمینان کے ساتھ اخبار کی آمد کا انتظار کر رہے ہوں تو اس کے معنی یہ ہیں کہ آپ آخرت کے اقرار میں اتنے سنجیدہ بھی نہیں ہیں جتنا وہ شخص اپنے پیشے میں سنجیدہ ہے جس کا آپ انتظار کر رہے ہیں۔ آپ مسلمان ہیں، آپ اسلام کے داعی ہیں، لیکن اگر صورت حال یہ ہو تو یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ آپ کا مسلمان ہونا آپ کی حقیقی زندگی سے کوئی تعلق نہیں رکھتا۔ آپ کی اسلامی دعوت محض اس سے ایک روایتی وابستگی کا نتیجہ ہے یا زیادہ سے زیادہ وہ ایک ذہنی موضوع ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو آپ آخرت کے لئے اس سے زیادہ بیتاب ہوتے جتنا ایک دنیا پرست دنیوی فائدوں کے لئے بے تاب ہوتا ہے۔ آخرت کی طلب میں آپ اس سے زیادہ تیز دوڑنے کی کوشش کرتے جتنا کوئی شخص اپنی ملازمت اور کاروبار کے لئے دوڑتا ہے، اپنے وقت اور اپنی صلاحیتوں کے استعمال میں آپ اس سے زیادہ مستعد ہوتے جتنا کہ ایک اخبار بیچنے والا اپنے کام میں نظر آتا ہے۔

اسلام آدمی کو زندگی کی سب سے بڑی کامیابی کے لئے بلاتا ہے۔ جس کے دل میں یہ بات اتر گئی ہو، کیسے ممکن ہے کہ وہ شخص غیر متعلق کام میں یا کمتر درجے کے مقاصد میں اپنا وقت ضائع کرے۔ اسلام ہم کو موجودہ زندگی کی غفلتوں کے بدلے بے پناہ عذاب سے ڈراتا ہے۔ جو شخص فی الواقع اس خبر پر ایمان لایا ہو کیسے ممکن ہے کہ آپ اس کو بےفکری کے ساتھ قہقہہ لگاتا ہوا پائیں۔ اسلام کہتا ہے کہ تمھارے اوپر ایک عظیم خدا ہے جو ہر وقت تمھیں دیکھ رہا ہے۔ جو شخص اس حقیقت کو مانتا ہو۔ کیسے ممکن ہے کہ وہ ایک لمحے کے لئے بھی ایسے مشاغل میں مصروف ہونا پسند کرے جس کی خدائے ذوالجلال کے نزدیک کوئی قیمت نہ ہو، اسلام کہتا ہے کہ تمھاری زندگی بالکل غیر یقینی ہے، کسی بھی وقت موت کے فرشتے تمھاری گرفتاری کے لئے پہنچ سکتے ہیں۔ جو شخص حقیقی معنوں میں اس انتہائی نازک صورت حال کا احساس رکھتا ہو، کیسے ممکن ہے کہ وہ روزانہ اپنے اوقات کا ایک حصہ ایسے مشاغل میں صرف کرتا رہے جس کا طلبِ آخرت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ جو شخص خدا سے ڈرتا ہو اس کے لئے ممکن نہیں ہے کہ ایک کام کو مہینوں اور سالوں کرتا رہے اور اس کو احساس نہ ہو کہ وہ ایک غلطی کو دہرا رہا ہے۔

"کیا یہی وہ تصویریں ہیں جو خدا اور آخرت پر ایمان لانے کے بعد بنتی ہیں" یہ فقرہ اکثر ایک دردناک آہ کے ساتھ میری زبان سے اس وقت نکل جاتا ہے جب میں اپنے گرد و پیش کے لوگوں کو دیکھتا ہوں۔ انسان کے لئے اس کے معاشی مفادات

اُخروی تقاضوں سے زیادہ اہمیت رکھتے ہیں۔ خدا کی مرضی کے لئے سرگرم ہونے سے زیادہ اس کو یہ بات محبوب ہے کہ وہ اپنے ذوق کی تسکین اور اپنی عادتوں کی تکمیل میں لگا رہے۔ وہ اپنی زندگی کے مقررہ نقشہ کو نہیں بدل سکتا، خواہ اس کی وجہ سے اس کی عبادتیں ناقص ہو جائیں، خواہ وہ اپنی ذمہ داریوں کو ٹھیک ٹھیک انجام نہ دے سکے، خواہ اس کو بالآخر اپنی بے حسی اور ناکردگی کو چھپانے کے لئے جھوٹے عذرات کا سہارا لینا پڑے۔

یہ شکایت مجھے صرف ان لوگوں سے نہیں ہے جو ملحدانہ ماحول میں پرورش پاکر نکلے ہیں۔ وہ لوگ جو "دیندار" کہے جاتے ہیں۔ جن کی طرف اسلامی مسائل معلوم کرنے کے لئے رجوع کیا جاتا ہے۔ ان کا حال بھی اس سے کچھ زیادہ مختلف نہیں ہے چند دن پہلے میں ایک راستے سے گزر رہا تھا کہ ایک پرجوش آواز میرے کان میں آئی ــــ "ہر آدمی کی زبردست خواہش ہوتی ہے کہ اپنی اولاد کو پھلتا پھوتا دیکھے اس سے دل کو بڑی تسکین ہوتی ہے" دیکھا تو ایک بزرگ ایک دکان میں بیٹھے تقریر کر رہے تھے۔ چہرے پر داڑھی ان کے دین دار ہونے کی علامت تھی اور زبان اور وضع قطع بتا رہی تھی کہ یقیناً کوئی عالم ہوں گے۔ میں نہیں کہتا کہ یہ کوئی ناجائز خواہش ہے۔ مگر جب میں دیکھتا ہوں کہ مسلمانوں کے اندر یہ تمنا تو بہت زیادہ ہے کہ وہ اپنی اولاد کو پھلتا پھوتا دیکھیں مگر اسلام کو پھلتا پھوتا دیکھنے کی تڑپ ان میں باقی نہیں ہے، تو یہ جائز خواہش بھی مجھے ایک جرم معلوم ہونے لگتی ہے۔ ایک بزرگ کو میں نے ایک مرتبہ دیکھا کہ وہ ایک نوجوان کو اس بات پر تنبیہ کر رہے تھے کہ وہ نماز کے بعد دعا کے لئے نہیں ٹھہرتا بلکہ سلام پھیرنے کے بعد فوراً اٹھ کر چلا جاتا ہے۔ بے شک یہ نوجوان کی غلطی تھی۔ مگر میں جانتا ہوں کہ خود ان بزرگ کا یہ حال ہے کہ صبح کی اور دوپہر کی نیند اکثر انھیں فجر اور ظہر کی نمازوں میں وقت پر مسجد پہنچنے نہیں دیتی۔ شام کی گفتگو میں وہ کبھی کبھی اتنا مصروف ہوتے ہیں کہ مسجد اس وقت پہنچتے ہیں جب امام ایک رکعت پوری کر چکا ہوتا ہے۔ آپ کو ایسے کتنے "عالم دین" ملیں گے جن کے سامنے اگر ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر کا ترجمہ "تم میں سے ایک گروہ ایسا ہونا چاہئے جو لوگوں کو خیر کی طرف بلائے" ــــ کر دیا جائے تو وہ اس پر دو گھنٹے بحث کریں گے کہ یہاں مِنْ "تبعیضیہ" نہیں بلکہ "بیانیہ" ہے۔ یعنی آیت کا صحیح ترجمہ یہ ہے کہ "تم کو ایسا گروہ بننا چاہئے جو لوگوں کو خیر کی طرف بلائے"۔ (نہ یہ کہ تم میں سے ـ ـ ـ) مگر ان حضرات کے ساتھ آپ مہینوں اور سالوں زندگی گزاریں، آپ یہ نہ دیکھیں گے کہ ان کے اندر فی الواقع دعوت الی الخیر کی کوئی واقعی تڑپ پائی جاتی ہے۔ وہ آیت میں عموم ثابت کرنے کے لئے قابلیت صرف کریں گے۔ مگر اس عموم کو اپنی ذات تک پہنچانے کی ضرورت نہیں سمجھیں گے۔ صلوٰۃِ وُسطیٰ کا ترجمہ اگر "بیچ کی نماز" یا "عصر کی نماز" کر دیجئے تو وہ آپ کے اوپر جہالت کا فتویٰ صادر کر دیں گے۔ وہ اصرار کریں گے کہ قرآن میں جو صلوٰۃِ وسطیٰ کا لفظ آیا ہے اس سے مراد "بہترین نماز" ہے۔ دوسرے لفظوں میں اس سے مراد کوئی ایک نماز نہیں بلکہ ساری نمازیں ہیں۔ مگر ان کی اپنی نمازوں کو دیکھئے تو آپ یہ نہ پائیں گے کہ وہ اپنی نماز کو "بہتر" بنانے کی جدوجہد کر رہے ہیں۔ دوسروں پر تبلیغ کرتے ہوئے وہ نہایت جوش کے ساتھ اس واقعہ کو بیان کریں گے کہ:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھیوں کو لے کر غزوۂ بدر کے لئے نکلے، دوسری طرف مشرکین کا لشکر تھا۔ آپ نے فرمایا،

بڑھو ایک ایسی جنت کی طرف جس کی وسعت زمین و آسمان کے برابر ہے۔ ایک انصاری عمیر بن حمام نے یہ سنا تو ان کی زبان سے بخ بخ کے الفاظ نکل گئے یعنی خوب! آپ نے فرمایا، تم نے بخ بخ کیوں کہا۔ انھوں نے جواب دیا۔ خدا کی قسم صرف اس لئے کہ شاید میں بھی ان لوگوں میں سے ہوں۔ آپ نے فرمایا۔ ہاں تم انھیں میں سے ہو۔ یہ سن کر انھوں نے اپنے برتن میں سے کچھ کھجوریں نکالیں اور اسے کھانے لگے۔ پھر بولے ان کھجوروں کو کھانے کے لئے میں کب تک زندہ رہوں گا۔ اِنَّهَا لَحَيٰوةٌ طَوِيْلَةٌ یہ تو بڑی لمبی زندگی ہے۔ یہ کہہ کر انھوں نے بقیہ کھجوریں ایک طرف ڈال دیں اور جنگ میں کود پڑے اور لڑ کر شہید ہو گئے۔" (مسلم)

مگر خود ان مبلغین کا کیا حال ہے۔ مذکورہ صحابی نے تو خدا تک پہنچنے کے شوق میں اپنی وافعی خوراک پھینک دی تھی مگر یہ حضرات اپنے ذوق اور اپنی عادتوں کو بھی خدا کی خاطر پھینکنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ بدر کے میدان میں اسلام اور کفر کا جو معرکہ ہوا تھا وہ آج ہر گلی اور ہر سڑک پر پوری شدت کے ساتھ جاری ہے مگر ان لوگوں کا حال یہ ہے کہ وقت کے اس غزوے میں شرکت کے لئے اپنے موجودہ مفاد کو ترک کرنا تو درکنار، مستقبل کی تمناؤں اور اپنی آنے والی پشتوں کے مفاد کو بھی خدا کے دین کے لئے خطرے میں ڈالنا وہ گوارا نہیں کرسکتے۔

میں اکثر سوچتا ہوں کہ اسلام کے دعوے کے ساتھ اتنے بڑے تضاد کو لوگ کس طرح اپنے اندر جمع کئے ہوئے ہیں۔ ہر بار مجھے یہی جواب ملا کہ دراصل "تاویل" کے فتنے نے لوگوں کو اس تضاد میں مبتلا کر رکھا ہے۔ ہر آدمی نے اپنے طرزِ عمل کو صحیح ثابت کرنے کے لئے کچھ خوب صورت جوابات تراش رکھے ہیں اور ضرورت کے وقت وہ فوراً انھیں پیش کر دیتا ہے۔ ایک مسلمان ڈاکٹر کو میں نے ایک بار دعوتِ دین کی جدوجہد میں حصہ لینے کی ترغیب دلائی۔ انھوں نے فوراً اپنے پیشے کی اہمیت پر تقریر شروع کر دی۔ ان کے نزدیک ان کا پیشہ خدمتِ خلق کا ایک زبردست کام ہے جس کو وہ رات دن کی محنت سے انجام دے رہے ہیں۔ انھوں نے بعض سنگین مریضوں کا ذکر کیا جو ان کے زیر علاج تھے۔ انھوں نے کہا "بتائیے میں انھیں چھوڑ کر کیسے کہیں جا سکتا ہوں۔ میرا ایسا اقدام انسانیت دوستی ہوگی یا انسانیت دشمنی"، بظاہر یہ بہت معقول جواب ہے۔ لیکن اگر میں آپ کو یاد دلاؤں کہ اکثر ڈاکٹروں کی "انسانیت دوستی"، ہمیشہ ان مریضوں کے ساتھ مخصوص ہوتی ہے جو اس کے زیر علاج ہوں اور ان میں بھی سب سے زیادہ اس کی توجہ کے مستحق وہ مریض ہوتے ہیں جو زیادہ (Paying) ہوں تو آپ سمجھ جائیں گے کہ اس خدمتِ خلق کی حقیقت کیا ہے۔

اسی طرح ہر شخص کے پاس اپنے طرزِ عمل کو صحیح ثابت کرنے کے لئے ایک جواب موجود ہے۔ کوئی لوگوں کی ناکردگی کو اس بات کے لئے کافی سمجھے ہوئے ہے کہ وہ خود بھی کوئی کام نہ کرے، کوئی دوسروں کے غلط خیالات کو اپنے لئے رکاوٹ سمجھتا ہے، کوئی دقتوں اور پابندیوں کی ایک فہرست لئے بیٹھا ہے، کسی کو ایک ایسا فقہی اور قانونی پیمانہ مل گیا ہے جس سے ناپنے میں اس کا جامہ بالکل درست اترتا ہے، کسی نے احادیث کے ذخیرے میں سے اپنے مناسب حال چند موزوں حدیثوں کو چھانٹ لیا ہے جو اس کے طرزِ عمل کو صحیح ترین ثابت کرنے کے لئے کافی ہیں۔ اسی طرح ہر شخص کے پاس اپنے غیر اسلامی رویے کی ایک اسلامی توجیہ اور اپنی آخرت فراموش زندگی کی ایک خالص دینی تاویل موجود ہے۔ اور اگر آپ ان تاویلات کی حقیقت کھول دیں تو موجودہ

دور میں شیطان نے چند ایسے الفاظ مہیا کر دئے ہیں جن کے ذریعہ کسی بھی صحیح ترین تنقید کو نہایت آسانی سے رد کیا جاسکتا ہے ——— "یہ شدت پسندی ہے"۔ "یہ تمہارا انتہا پسندانہ ذوق ہے"۔ "تم یک رُخے انداز میں سوچتے ہو"۔ "تم اعتدال کے راستے سے ہٹ گئے ہو"۔ وغیرہ وغیرہ۔ ظاہر ہے کہ آپ کے پاس ان باتوں کا کوئی جواب نہیں ہوگا۔ کیوں کہ خدا کے رسول پہلے ہی اعلان فرما چکے ہیں کہ اَلدِّیْنُ یُسْرٌ!

مگر یاد رکھئے آج آپ ایک ناصح کو ان جوابات سے خاموش کرسکتے ہیں۔ مگر خدا کے یہاں اس قسم کے جوابات ہرگز کافی نہ ہوں گے۔ وہاں تو آپ کی پوری زندگی کا بخیہ ادھیڑ کر رکھ دیا جائے گا اور کہا جائے گا کہ تم خود دیکھ لو کہ دنیا کی زندگی میں تم جن مشاغل میں مصروف تھے: ان کے پیچھے کیا کیا محرکات کام کر رہے تھے۔

میرے ایک ساتھی نے ایک مرتبہ بہت عمدہ بات کہی ——— "آخرت میں خدا کا انعام اسی کو ملے گا جس نے دنیا میں خدا کے انعام کو پالیا ہو"۔ اس بات پر غور کیجئے تو اس میں نصیحت کے بہت سے پہلو چھپے ہوئے ہیں۔ آپ اپنے کو مسلمان کہتے ہیں، آپ دین حق کے علم بردار ہیں، یہ دراصل اس بات کا اعلان ہے کہ آپ خدا کی جنت کے امیدوار ہیں۔ ظاہر ہے کہ وہ انعام "جس کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ کسی کان نے سنا" وہ محض دعووں اور خوش گمانیوں کے ذریعہ تو کسی کو نہیں مل سکتا۔ یہ انعام صرف اس کے لئے ہے جس نے دنیا میں اپنی آخرت طلبی کو نمایاں طور پر ثابت کر دیا ہو، جس نے اپنے مسلسل رویے سے یہ دکھا دیا ہو کہ دوسرے انسانوں کے مقابلے میں وہ اس کے پانے کا استحقاق رکھتا ہے۔ جب دوسرے لوگ دنیا کی لذتوں میں کھوئے ہوئے تھے تو وہ خدا کے انعام کے تصور میں اتنا محو ہوا کہ اسے دنیا کی لذتیں بھول گئیں۔ جب دوسرے لوگ اپنے ذوق کو تسکین دینے میں مصروف تھے تو وہ خدا کی رضا حاصل کرنے کے لئے تڑپ رہا تھا، جب دوسرے لوگ سوتے تھے تو وہ جاگتا تھا، جب دوسرے آرام کرتے تھے تو وہ تکلیف اٹھاتا تھا، جب دوسرے لوگ ہنسی اور تفریح میں دل بہلا رہے تھے تو وہ آنسو بہا رہا ہوتا تھا۔ مختصر یہ کہ جب دوسرے لوگ دنیا کی زندگی میں اپنے آپ کو گم کئے ہوئے تھے تو وہ آخرت کی زندگی کے لئے اپنا ایک ایک لمحہ صرف کر رہا تھا۔

جنت کا مستحق ہونا دوسرے لفظوں میں آخرت میں کسی کا ممتاز مقام حاصل کرنا ہے۔ آپ دیکھتے ہیں کہ دنیا میں صرف وہی شخص کسی ممتاز مقام کو پاتا ہے جس نے اس کے لئے بے پناہ جد و جہد کی ہو۔ ٹھیک اسی طرح آخرت کے درجاتِ عالیہ بھی وہی لوگ پائیں گے جنھوں نے اپنے آپ کو اس کے لئے کھپا دیا ہو۔ اگر کوئی شخص یہ سمجھتا ہے کہ اپنی سطحی زندگی کے نتیجہ میں وہ آخرت کے انعامات کو حاصل کرے گا تو یہ محض خوش فہمی ہے۔ ٹھیک ویسی ہی خوش فہمی جیسے کوئی شخص سمجھ لے کہ وہ بستر پر لیٹے لیٹے وہ مقام حاصل کرسکتا ہے جب کہ دنیا اسے "فاتح ایورسٹ" کے نام سے پکارے اور اس کو وہ اعزازات نصیب ہوں جو ہلیری اور ٹین زنگ کو لمبی جد و جہد کے بعد حاصل ہوئے۔

۱۶۴۲ میں انگلینڈ کے دیہات میں ایک لڑکا پیدا ہوا۔ پیدائش کے وقت وہ اتنا کمزور تھا کہ دائیوں نے اس کی زندگی کی طرف سے مایوسی ظاہر کی۔ اس کا کمزور سر حفاظت کی خاطر چمڑے کی پٹی سے لپیٹ دیا گیا۔ اس کے بعد جب وہ بڑا ہو کر ہائی اسکول پہنچا تو وہ اپنے ساتھیوں میں سب سے پیچھے تھا۔ مگر یہی کمزور لڑکا جب پچاسی سال کی عمر میں مرا تو وہ نیوٹن کے

پُرعظمت نام سے مشہور ہو چکا تھا۔ نہ صرف انگلینڈ میں اس کو بلند ترین اعزازات حاصل ہوئے بلکہ ساری دنیا میں اپنی ذہنی عظمت کا اس نے ایسا سکہ بٹھایا کہ اس کے مرنے کے سو سال بعد جب دوربینی مطالعہ میں سائنس دانوں نے دیکھا کہ سیارہ یورے نس نیوٹن کے قانون تجاذب کے بتائے ہوئے راستے سے کچھ ہٹا ہوا ہے تو انھوں نے نیوٹن کے اصول کی غلطی تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ انھوں نے کہا کہ یہاں کوئی اور سیارہ ہونا چاہئے جس کی کشش سے اس کی رفتار میں یہ فرق پیدا ہوا ہے۔

نیوٹن کو یہ عظمت کیوں کر حاصل ہوئی اس کا جواب خود اس کی زبان سے سنئے۔ ایک مرتبہ اس کے کارناموں کی تعریف کی گئی تو اس نے کہا:

"I had no special sagacity -------
only the power of patient thought".

یعنی میرے اندر کوئی خصوصی قابلیت نہیں ہے۔ مجھے جو کچھ ملا وہ صرف اس وجہ سے ملا کہ میں نے کائنات کو سمجھنے کے لئے انتھک جد و جہد سے کام لیا ہے۔ اپنی مشہور کتاب (Principia) کی تیاری کے دوران میں اٹھارہ مہینے تک اس کا یہ حال تھا کہ وہ گھنٹوں بے حس و حرکت پڑا سوچتا رہتا۔ اس کے بعد یکایک اپنی ڈسک پر جا کر کھڑا ہو جاتا اور گھنٹوں مسلسل لکھتا رہتا۔ اس کو اتنا بھی ہوش نہیں رہتا تھا کہ قریب کی کرسی کھینچ کر اس پر بیٹھ جائے۔ اس کے سکریٹری کی رپورٹ ہے کہ اس دوران میں بہت کم ایسا ہوا کہ وہ دو بجے سے پہلے بستر پر گیا ہو اور بعض اوقات تو پانچ اور چھ بج جاتے تھے۔ کھانا بھی وہ اکثر بھول جاتا تھا۔ اس کی زندگی کی ضروریات بہت محدود تھیں۔ ایک مرتبہ اس سے پوچھا گیا کہ تم سگریٹ کیوں نہیں پیتے، اس نے جواب دیا:

"Because I do not want to
aquire any new necessities".

یعنی میں سگریٹ اس لئے نہیں پیتا کہ اس کی وجہ سے میری ضروریات زندگی میں خواہ مخواہ ایک نئی ضرورت کا اضافہ ہو جائے گا۔

ولیم ہرشل (William Harschell) ایک جرمن سائنس داں گزرا ہے۔ اس نے فلکیات کے مطالعہ میں انسان کے علم کو بہت آگے بڑھایا۔ اس کا حال یہ تھا کہ معاشی تنگی کی وجہ سے اسکول کے بعد وہ اپنی تعلیم جاری نہ رکھ سکا اور ایک ملازمت کر لی۔ لیکن صحت کی خرابی کی وجہ سے انیس سال کی عمر میں یہ ملازمت بھی چھوڑنی پڑی۔ اس کے بعد اس نے اپنے خاندانی پیشے کو اختیار کیا اور وائلن بجانے لگا۔ اسی دوران میں اس کو فلکیات کے موضوع پر ایک کتاب ملی۔ اس کتاب کو اس نے بہت غور سے پڑھا۔ اس کے بعد ہرشل کو ستاروں کے مطالعہ سے گہری دلچسپی پیدا ہو گئی۔ اس کا یہ شوق اتنا بڑھا کہ کبھی کبھی رات کے وقت جب اس کی ٹولی ساز و نغمہ میں مصروف ہوتی تھی وہ مجلس چھوڑ کر تھوڑی دیر کے لئے باہر نکل جاتا تاکہ آسمان پر جگمگاتے ہوئے ستاروں کی ایک جھلک دیکھ آئے۔

ستاروں کے مطالعہ کے لئے دوربین ضروری تھی۔ مگر یہ اٹھارھویں صدی کا زمانہ تھا جب کہ دوربین ابھی جلد ہی ایجاد ہوئی تھی اور نہ صرف یہ کہ ناقص تھی بلکہ اس کا ملنا بھی آسان نہیں تھا۔ ہرشل نے خود اپنی دوربین بنانے کا فیصلہ کیا۔ اس کے متعلق فنی واقفیت حاصل کرنے کے لئے اس نے ریاضی پڑھنی شروع کی اور لمبی محنت کے بعد خود اپنے ہاتھ سے دوربین

تیار کی۔ ظاہر ہے کہ اس کی پہلی دوربین ابھی بہت ناقص تھی۔ مگر وہ ہمت نہ ہارا۔ دوربین کو ترقی دینے اور اس کو بہتر بنانے میں اس کا انہماک اتنا بڑھا کہ اس کا پورا گھر دوربین کا ایک کارخانہ بن گیا۔ اس زمانے میں ہرشل کی مشغولیت کا یہ حال تھا کہ وہ کھانے کے لئے بھی اپنی ورکشاپ سے نہیں نکلتا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اس کی بہن کو اکثر اس طرح اسے کھانے کے لئے آمادہ کرنا پڑتا تھا کہ وہ اپنے کام میں لگا رہتا اور بہن اس کے پہلو میں کھڑی ہوئی اس کے منھ میں لقمہ ڈالتی جاتی۔

صاف راتوں میں جب کہ آسمان پر بادل نہیں ہوتے تھے، بہت کم ایسا ہوتا کہ ہرشل بستر کے اوپر نظر آئے۔ ایسی راتوں کا بہترین مصرف اس کے نزدیک یہ تھا کہ اس کو ستاروں کا مشاہدہ کرنے میں بسر کرے۔ اس کی انھیں کوششوں کا نتیجہ تھا کہ اس کو تاریخ میں وہ مقام حاصل ہوا جس کو ایک مصنف نے ان لفظوں میں بیان کیا ہے:

"...he had looked farther into space
than any other eye had yet seen".

یعنی اس نے کائنات میں اتنی دور تک دیکھا جتنا اس سے پہلے کسی آنکھ نے نہیں دیکھا تھا۔

نومبر ۱۸۴۷ء کی ایک تاریخ کو جب ایک یوروپین ڈاکٹر کے کمرے میں اس کا ملازم داخل ہوا تو ڈاکٹر اور اس کے دو ساتھی اپنی کرسیوں سے گر کر فرش پر اوندھے منھ بے ہوش پڑے ہوئے تھے۔ ملازم نے سمجھا کہ شاید ان لوگوں نے کوئی تیز قسم کی شراب پی لی ہے۔ اس نے ان کے کپڑے درست کئے اور خاموشی کے ساتھ باہر چلا گیا۔ مگر حقیقت کچھ اور تھی۔ یہ دراصل جیمز سمپسن اور اس کے دو اسسٹنٹ تھے جنھوں نے پہلی بار کلوروفارم کے اثرات کا تجربہ کرنے کے لئے اس کو سانس کے ذریعہ اپنے اندر داخل کر لیا تھا۔ سمپسن ایک دیہاتی نانبائی کے سات لڑکوں میں سب سے چھوٹا تھا۔ چار سال کی عمر میں اس نے دیہات کے اسکول میں تعلیم شروع کی اور اس میں اتنی دلچسپی اور توجہ دکھائی کہ اس کا باپ اور چھ بھائی اس پر راضی ہو گئے کہ نہایت ضروری مصارف پر قناعت کر کے اس کو اعلیٰ تعلیم کے لئے شہر بھیجیں۔ اس طرح وہ اڈنبرا یونیورسٹی پہنچا۔ اسی نانبائی کے لڑکے کے سر اس بات کا سہرا ہے کہ اس نے آپریشن کے موقع پر کلوروفارم کا استعمال دریافت کر کے انسانیت کو ایک طویل اور جانکاہ مصیبت سے نجات دی —— اس نے انسان کو وہ چیز دی جس کو ڈاکٹر جان براؤن نے ان لفظوں میں ادا کیا ہے:

"...one of God's best gifts
to his suffering children."

یعنی دکھی انسانوں کے نام خدا کے تحفوں میں سے ایک بہترین تحفہ —— مگر سمپسن یہ تاریخی کام صرف اس وقت کر سکا جبکہ اس کی تحقیق میں اس نے اپنے آپ کو پوری طرح لگا دیا اور اس کے لئے اپنی زندگی کو خطرے میں ڈالنے سے بھی گریز نہیں کیا۔

یہ ان لوگوں میں سے صرف چند کا ذکر ہے جنھوں نے دنیا میں عزت کا مقام حاصل کیا۔ آپ اس طرح کے بہت سے واقعات کو کتابوں میں پڑھ سکتے ہیں۔ تاریخ بتاتی ہے کہ جنتِ دنیوی میں صرف وہ لوگ داخل ہو سکے جنھوں نے بے پناہ مشقت اٹھائی۔ جنھوں نے اپنی ساری صلاحیتوں کو اس کے پیچھے جھونک دیا۔ دنیا اپنی پشت پر چلنے والے کروروں اربوں انسانوں میں سے صرف ان تھوڑے سے لوگوں کو عزت اور سربلندی کا مقام دینے کے لئے منتخب کرتی ہے جو اس کے لئے اپنے آپ کو فنا کر دیتے ہیں، جو اپنا سب کچھ اس کے حوالے کر دیتے ہیں پھر خدا کی جنت جو اس سے کہیں زیادہ قیمتی ہے، کس قدر

خام خیالی ہو گی اگر کوئی شخص سمجھ لے کہ محض سطحی قسم کے عمل کے ذریعہ وہ اسے حاصل کرلے گا :

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَأْتِكُمْ مَثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَاءُ وَالضَّرَّاءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ ○

(اے مسلمانو!) کیا تم نے سمجھ رکھا ہے کہ تمھیں جنت میں داخلہ مل جائے گا۔ حالاں کہ ابھی تم پر وہ حالات گزرے ہی نہیں جو اس سے پہلے کے لوگوں پر گزر چکے ہیں۔ ان کو تکلیفیں اور مصیبتیں لاحق ہوئیں، وہ ہلا مارے گئے، یہاں تک کہ رسول اور اس کے ساتھی اہل ایمان پکار اٹھے کہ خدا کی مدد کب آئے گی۔ سن لو (ایسے لوگوں کے لئے) خدا کی مدد قریب ہے۔

آخر میں آپ کو میں ایک واقعہ سنانا چاہتا ہوں جو پچھلے دس سال سے میری یادداشت کا بہترین حصہ رہا ہے یہ ایک انگریز مسٹر آرنلڈ کا واقعہ ہے جو علی گڑھ میں فلسفہ کے پروفیسر تھے۔ ۱۸۹۲ء میں جب مولانا شبلی نے قسطنطنیہ کا سفر کیا تو جہاز میں پورٹ سعید تک مسٹر آرنلڈ کا بھی ساتھ رہا۔ مولانا شبلی لکھتے ہیں :

" ۱۰ مئی کی صبح کو میں سوتے سے اٹھا تو ایک ہم سفر نے کہا کہ جہاز کا انجن ٹوٹ گیا۔ میں نے دیکھا تو واقعی کپتان اور جہاز کے ملازم گھبرائے پھرتے تھے اور اس کی درستی کی تدبیریں کررہے تھے۔ انجن بالکل بے کار ہوگیا تھا اور جہاز نہایت آہستہ آہستہ ہوا کے سہارے چل رہا تھا۔ میں سخت گھبرایا اور نہایت ناگوار خیالات دل میں آنے لگے۔ اس اضطراب میں اور کیا کرسکتا تھا۔ دوڑا ہوا مسٹر آرنلڈ کے پاس گیا۔ وہ اس وقت نہایت اطمینان کے ساتھ کتاب کا مطالعہ کررہے تھے۔ میں نے ان سے کہا کہ آپ کو خبر بھی ہے۔ بولے کہ ہاں انجن ٹوٹ گیا ہے۔ میں نے کہا کہ آپ کو کچھ اضطراب نہیں۔ بھلا یہ کتاب دیکھنے کا موقع ہے۔ فرمایا کہ جہاز کو اگر برباد ہی ہونا ہے تو یہ تھوڑا سا وقت اور بھی قدر کے قابل ہے اور ایسے قابل قدر وقت کو رائگاں کرنا بالکل بے عقلی ہے۔" سفرنامہ روم ومصر وشام صفحہ ۱۲

سمندر کی لہروں کے درمیان جہاز کی یہ غیر یقینی حالت آٹھ گھنٹے قائم رہی۔ آٹھ گھنٹے کا یہ وقت مسٹر آرنلڈ کے لئے جو حیثیت رکھتا تھا مومن کے لئے وہی حیثیت اس کی پوری زندگی کی ہے۔ آپ ہر وقت اس خطرے میں مبتلا ہیں کہ اچانک آپ کی موت آجائے۔ ہر لمحہ آپ کے لئے زندگی کا آخری لمحہ ہے۔ اگر آدمی کو اس بات کا واقعی احساس ہوجائے تو وہ اسی طرح ہمہ تن مشغول نظر آئے گا جیسے امتحان میں بیٹھا ہوا وہ طالب علم جس کا وقت ختم ہورہا ہو اور ابھی اسے کئی سوال کرنے باقی ہوں۔ لیکن اگر آپ غفلت کی زندگی گزار رہے ہیں۔ اگر آپ اپنے وقت کی اہمیت نہیں سمجھتے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ آپ کو اس نازک صورت حال کا احساس نہیں ہے جس میں آپ کی زندگی کا جہاز گھرا ہوا ہے۔ آپ موت سے نہیں ڈرتے آپ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے۔ سوچئے کہ آپ کی زندگی آپ کے بارے میں کس چیز کا ثبوت دے رہی ہے۔

اسلامک یوتھ آرگنائزیشن (رام پور) کے اجتماع میں کی گئی تقریر۔ ۱۲ جولائی ۱۹۶۱

اقامت دین کے بارے میں

قرآن کی سورہ نمبر ۴۲ میں ارشاد ہوا ہے کہ جو دین اللہ نے دوسرے نبیوں کو دیا تھا وہی دین تم کو بھی دیا گیا ہے۔ اس دین کو قائم رکھو، اس میں متفرق نہ ہو (شوریٰ) اس آیت کی تفسیر تمام مفسرین یہ کرتے ہیں کہ اس میں دین کے وہ اساسی احکام مراد ہیں جو تمام نبیوں کے یہاں یکساں طور پر پائے جاتے ہیں۔ اس میں شرائع اور منہاج مراد نہیں ہیں۔ کیوں کہ قرآن کی صراحت کے مطابق ان میں مختلف نبیوں کے درمیان فرق پایا جاتا ہے (مائدہ ۴۸) شرائع اور منہاج جب مختلف ہوں تو ان کی متحدہ پیروی ممکن نہیں، متحدہ تعلیمات ہی کی متحدہ پیروی کی جاسکتی ہے۔ اس لئے اس آیت میں حکم اقامت کا اطلاق اساسی تعلیمات پر ہوگا نہ کہ تفصیلی تعلیمات پر۔ اس آیت کا منشا یہ ہے کہ تفصیلی احکام میں توسع اور حالات کی رعایت کا طریقہ اختیار کیا جائے اور مستقل زور اور تاکید صرف متفق علیہ باتوں پر دیا جائے۔ اس طرح ملت کے اندر حقیقی دینی فضا پیدا ہوگی۔ دین کے وہ ذیلی یا تفصیلی امور جن میں زمانہ اور حالات کے اعتبار سے فرق ہوتا رہتا ہے، ان کو اگر مستقل تاکید کی بنیاد بنایا گیا تو ملت کے اندر تفرق وانتشار ظہور میں آئے گا اور دین کے نام پر ایک ایسی فضا پیدا ہوگی جو دین کے لئے قاتل کی حیثیت رکھتی ہے (تفصیل کے لئے: تعبیر کی غلطی، الاسلام)

موجودہ زمانہ میں کچھ لوگوں نے اس آیت کی یہ تفسیر کی کہ اقامت دین کے حکم کا مطلب یہ ہے کہ سارے اسلامی قوانین کو بحیثیت ایک مکمل نظام کے جاری و نافذ کیا جائے۔ اب چوں کہ مکمل قانون کے نفاذ میں سب سے بڑی رکاوٹ حکومتی ادارہ تھا، اس تفسیر کے مطابق اقامت دین کا پہلا کام یہ قرار پایا کہ حکومت وقت سے تصادم کرکے اس سے اقتدار چھینا جائے تاکہ مکمل قانون کو نافذ کیا جاسکے۔ مسلم اقلیت کے ملکوں میں اس قسم کے سیاسی جہاد کے مواقع نہیں تھے، اس لئے یہاں یہ تفسیر تقریری اور تحریری مہم تک محدود رہی۔ مسلم اکثریت کے ممالک جہاں مواقع کھلے ہوئے تھے، وہاں اس نے قائم شدہ مسلم حکومت کے خلاف براہ راست اقدام کی صورت اختیار کی۔ اس کے نتیجہ میں نہ صرف حرث ونسل کی ہلاکت اور باہمی فساد وجود میں آیا بلکہ اقامت دین کے نام پر یہ عظیم نقصان ہوا کہ ملت کے اندر دینی اتحاد کی وہ فضا بالکل برباد ہوگئی جو اقامت دین کے حکم کا مقصود اصلی تھا۔ اقامت دین کی تحریک کے یہ برعکس نتائج کافی تھے کہ اس کے علم بردار اپنے فکر پر نظر ثانی کریں۔ مگر انھوں نے یہ کیا کہ نئی نئی تفسیریں لکھ کر اپنے پیروؤں کے ذہن کو مزید پختہ کرنے کی کوشش کی۔ یہاں ہم اس سلسلے میں ایک تفسیر میں شائع شدہ بحث کا جائزہ لینا چاہتے ہیں۔ مذکورہ مفسر قرآن سورہ شوریٰ کی تفسیر کے تحت لکھتے ہیں:

"بعض لوگوں نے دیکھا کہ جس دین کو قائم کرنے کا حکم دیا گیا ہے وہ تمام انبیاء علیہم السلام کے درمیان مشترک ہے اور شریعتیں ان سب کی مختلف رہی ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے: لکل جعلنا منکم شرعۃ و منھاجا، اس لئے انھوں نے یہ رائے قائم کرلی کہ لامحالہ اس دین سے مراد شرعی احکام وضوابط نہیں ہیں بلکہ

صرف توحید و آخرت اور کتاب و نبوت کا ماننا اور اللہ تعالیٰ کی عبادت بجالانا ہے۔ یا حد سے حد اس میں دو موٹے موٹے اخلاقی اصول شامل ہیں جو سب شریعتوں میں مشترک رہے ہیں۔ لیکن یہ بڑی سطحی رائے ہے جو محض سرسری نگاہ سے دین کی وحدت اور شرائع کے اختلاف کو دیکھ کر قائم کر لی گئی ہے اور یہ ایسی خطرناک رائے ہے کہ اگر اس کی اصلاح نہ کر دی جائے تو آگے بڑھ کر بات دین و شریعت کی اس تفریق تک جا پہنچے گی جس میں مبتلا ہو کر سینٹ پال نے دین بلا شریعت کا نظریہ پیش کیا اور سیدنا مسیح علیہ السلام کی امت کو خراب کر دیا۔ اس لئے کہ جب شریعت دین سے الگ ایک چیز ہے اور حکم صرف دین کو قائم کرنے کا ہے نہ کہ شریعت کو، تو لامحالہ مسلمان بھی عیسائیوں کی طرح شریعت کو غیر اہم اور اس کی اقامت کو غیر مقصود بالذات سمجھ کر نظر انداز کر دیں گے اور صرف ایمانیات اور موٹے موٹے اخلاقی اصولوں کو لے کر بیٹھ جائیں گے۔ اس طرح کے قیاسات سے دین کا مفہوم متعین کرنے کے بجائے آخر کیوں نہ ہم خود اللہ کی کتاب سے پوچھ لیں کہ جس دین کو قائم کرنے کا حکم یہاں دیا گیا ہے، آیا اس سے مراد صرف ایمانیات اور چند بڑے بڑے اخلاقی اصول ہی ہیں یا شرعی احکام بھی۔ (اس کے بعد مختلف آیتیں نقل کر کے دکھایا گیا ہے کہ قرآن میں دین کا لفظ ایمانیات کے علاوہ قوانین و احکام کے لئے بھی آیا ہے۔ اس لئے لازماً تمام احکام کو دین میں شمار ہونا چاہئے اور ان سب کو بروئے کار لانے کا نام اقامت دین ہونا چاہئے) ۴۸۸ - ۹۰

۱۔ مذکورہ بالا اقتباس میں "بعض" کا لفظ معاملہ کی سنگینی کو گھٹا رہا ہے۔ کیوں کہ یہ رائے صرف "بعض مفسرین" کی نہیں ہے بلکہ بلا استثناء تمام قابل ذکر مفسرین کی ہے۔

۲۔ مذکورہ رائے کو سطحی اور سرسری قرار دینے کے لئے کوئی دلیل نہیں۔ جب حکم کے الفاظ یہ ہیں کہ "تمام نبیوں کے دین کی پیروی کرو، اس میں متفرق نہ ہو"، تو لامحالہ قرآن کی اس خاص آیت میں الدین سے دین کا مشترک حصہ مراد لینا ہوگا نہ کہ متفرق حصہ۔

۳۔ اقیموا الصلوٰۃ کی آیت میں کوئی شخص اقیموا الزکوٰۃ کو شامل نہ سمجھے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ حکم زکوٰۃ کا انکار کر رہا ہے۔ اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ زکوٰۃ کا حکم دوسری آیت میں ہے نہ کہ اقیموا الصلوٰۃ کی آیت میں۔ اسی طرح اقیموا الدین میں شرائع کو مراد نہ لینے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ شرائع سرے سے مطلوب نہیں ہیں۔ اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ وہ اس آیت میں شامل نہیں ہیں۔ ان کا حکم دوسری آیتوں سے نکلتا ہے اور وہاں جو الفاظ ہیں انھیں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس حکم کی نوعیت کیا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص ان الارض للہ (اعراف ۱۲۸) سے اجتماعی ملکیت کا اصول نکالے تو کہا جائے گا کہ اس آیت کا ملکیت کے مسئلہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ملکیت کے بارے میں بھی بلاشبہ اسلام کے احکام ہیں۔ مگر وہ دوسری آیتوں سے معلوم ہوتے ہیں نہ کہ ان الارض للہ سے۔

۴۔ اس ضمن میں سینٹ پال کا حوالہ بالکل غیر متعلق ہے۔ سینٹ پالیت جس چیز کا نام ہے وہ یہ کہ کوئی شخص اپنے فعل (خواہ اعتقادی ہو یا عملی) سے نجات نہیں پاتا۔ بلکہ اس خاص عقیدہ کو ماننے سے نجات پاتا ہے کہ خدا کا بیٹا

مصلوب ہو کر انسان کے پیدائشی گناہوں کا کفارہ ہو گیا۔ بالفاظ دیگر، سینٹ پالیت یہ ہے کہ انسان کی نجات کا دار و مدار معروف معنوں میں نہ ایمانیات پر ہے اور نہ اعمال پر۔ بلکہ کفارہ کے مخصوص تصور کو مان لینے پر ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ بالکل ایک علیحدہ مذہب ہے۔ اقیموا الدین کی مذکورہ تفسیر سے اس کو کوئی مشابہت نہیں۔

۵۔ یہ بات بھی صحیح نہیں کہ جب اقامت دین کے حکم سے مراد صرف اساسات دین کی اقامت ہے تو بقیہ احکام و ضوابط کس لئے ہیں۔ قرآن سے ثابت ہے کہ شرعی احکام کی تکلیف باعتبار "وسع" ہوتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ جس حکم کی تعمیل کسی شخص یا گروہ کے وسع میں نہ ہو اس کے لئے وہ حکم اس وقت تک عملاً موقوف رہے گا جب تک اس کے اندر اس کی قدرت نہ پیدا ہو جائے۔ اساسات دین وہ ہیں جن کی استطاعت ہر شخص کو ہر وقت رہتی ہے، اللہ سے خوف و محبت کا تعلق قائم کرنا اور بندوں کے ساتھ انصاف اور خیر خواہی کا معاملہ کرنا کس کے لئے ممکن نہیں۔ اس لئے اساسات دین کی اقامت ایک عام حکم ہے جس کا مکلف ہر شخص ہمیشہ رہتا ہے۔ اس کے برعکس احکام اجتماعی کے نفاذ کا معاملہ اقتدار کا طالب ہے۔ اس لئے اس کے نفاذ کو اقتدار کے ساتھ مشروط کیا گیا ہے۔ جس کو جتنا اقتدار حاصل ہو، اس کے اعتبار سے اس پر وہ احکام مفروض ہوتے چلے جائیں گے جو اس کے دائرہ اختیار میں آتے ہیں۔ اسی سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیوں مدنی دور میں حکومتی قوانین جاری کئے اور ابو الانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کیوں تاعمر ایسا نہیں کیا۔ اس فرق کے باوجود دونوں اللہ کی نظر میں مومن کامل تھے۔ کیونکہ کسی کے دین کا مکمل ہونا یہ ہے کہ وہ اپنے نفس کے اوپر دین کو مکمل طور پر غالب کرلے نہ یہ کہ دوسروں کے اوپر مکمل داروغہ بننے کے لئے ایجی ٹیشن چلائے۔

۶۔ یہ اندیشہ بھی صحیح نہیں کہ یہ اہل اسلام کو انفرادی عمل پر قانع بنانا ہے۔ اقیموا الدین کی آیت میں جس توحید پر قائم ہونے کا حکم ہے، دوسرے مقامات (یوسف ۱۰۸) پر یہ عمومی حکم بھی موجود ہے کہ اس پیغام توحید کو دوسرے بندگان خدا تک پہنچاؤ۔ تنفیذ قانون بلاشبہ ایک مشروط حکم ہے۔ مگر دعوت الی اللہ ایک عام حکم ہے جو ہر حال میں مطلوب ہے۔ دعوت کا کام پوری امت کے لئے عظیم ترین اجتماعی نشانہ عطا کرتا ہے۔

۷۔ ایک لفظ اکثر ایک سے زیادہ معنی رکھتا ہے۔ "دین" کا لفظ بھی قرآن میں لغوی اور مرادی اعتبار سے کئی معنوں میں آیا ہے۔ ان تمام معانی کی فہرست بنانا اور یہ کہنا کہ اقیموا الدین میں لفظ دین کے یہ تمام معانی مراد ہیں، ایک غیر علمی بات ہے۔ کیوں کہ لفظ کا مفہوم ہمیشہ سیاق کے اعتبار سے متعین ہوتا ہے نہ کہ مختلف مفہومات کی گنتی سے۔ اس طریق استدلال کی غلطی اس سے واضح ہے کہ قرآن کی پہلی سورہ میں دین کا لفظ "جزا" کے معنی میں آیا ہے۔ اب اگر مذکورہ طریق استدلال کو صحیح سمجھا جائے تو اقامت دین کے مفہوم میں یہ بھی شامل کرنا پڑے گا کہ مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ جدوجہد کر کے روز جزا کو برپا کریں تاکہ لوگوں کو ان کے عمل کا بدلہ دیا جا سکے۔ پھر کیا اس انقلابی تعبیر کے دعوے دار اپنے دین کو مکمل کرنے کے لئے مالک یوم الدین بننے کو بھی اپنے پروگرام میں شامل کریں گے۔

۸۔ اقیموا الدین کو اساسات دین کی اقامت کے معنی میں لینے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ "موٹی موٹی تعلیمات" کو

لے لیا اور باقی سب کو چھوڑ دیا" اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ اس متفق علیہ دین کو پکڑو جو اصلاً اور دائماً مطلوب ہے۔ فروعی اور اختلافی چیزوں کو مدار اقامت نہ بناؤ۔ اس سے مراد "موٹی موٹی تعلیمات" نہیں ہیں بلکہ وہ اصلی اور حقیقی تعلیمات ہیں جن پر آخرت کی نجات کا انحصار ہے۔ انبیاء کی غیر اختلافی تعلیمات کیا تھیں، اس کے متعلق ہم کو قیاس کرنے کی ضرورت نہیں۔ قرآن کے تتبع سے اس کو واضح طور پر معلوم کیا جا سکتا ہے۔ چند حوالے ملاحظہ ہوں:

۱۔	اللہ کے سوا کسی کو الٰہ نہ بنانا	انبیاء	۲۵
۲۔	صرف ایک اللہ کی عبادت کرنا	فصلت	۱۴
۳۔	اللہ سے ڈر کر زندگی گزارنا	نحل	۲
۴۔	رزق طیب کھانا اور عمل صالح کرنا	مومنون	۵۱
۵۔	ایک دوسرے کے ساتھ انصاف برتنا	حدید	۵۲
۶۔	دوسروں کی ڈالی ہوئی اذیت پر صبر کرنا	احقاف	۳۵
۷۔	دعوت حق کا ساتھ دینا	آل عمران	۸۱
۸۔	لوگوں کو جہنم سے ڈرانا اور جنت کی خوش خبری دینا	نساء	۱۶۵

یہی تمام انبیاء کا دین رہا ہے اور یہی وہ دین ہے جو اصلاً اور حقیقۃً اللہ تعالیٰ کو مطلوب ہے۔ ظاہری اعمال بھی وہی مقبول ہیں جن میں مندرجہ بالا تعلیمات کی روح پائی جائے۔ اس کے بغیر کسی عمل کی کوئی قیمت نہیں۔ مزید یہ کہ انھیں تعلیمات میں اللہ کا پورا دین آجاتا ہے۔ جو شخص ان چیزوں پر قائم ہو جائے وہ پورے دین پر قائم ہو گیا۔ اللہ کے نزدیک اس نے اپنے دین کو کامل کر لیا۔ دین اپنی اصل حقیقت کے اعتبار سے کوئی خارجی "نظام" نہیں ہے جس کو اقتدار پر قبضہ کرکے لوگوں کے اوپر نافذ کیا جائے۔ دین حقیقۃً آدمی کی اپنی زندگی کا نقشہ ہے۔ آدمی کا اپنا وجود جس کے ساتھ وہ صبح و شام جی رہا ہے، جس کو لے کر وہ پیدا ہوتا ہے اور جس کو لے کر وہ مرجاتا ہے، اس وجود کو دین دار بنانا اور اس کو ہمہ تن اللہ کی مرضیات پر ڈھال لینا ہی دراصل اقامت دین ہے۔ یہ انسانی وجود کسی قانون یا کسی سیاسی ادارہ کی گرفت سے باہر کی چیز ہے۔ یہ صرف آدمی کے اپنے ارادہ کی گرفت میں آتا ہے۔ اس پر کسی دوسرے کا حکم نہیں چلتا بلکہ صرف اپنا حکم چلتا ہے۔ اسی انسانی وجود پر خود اپنے ارادہ سے دین کو غالب کرنے کا نام اقامت دین ہے نہ کہ حکمرانوں سے سیاسی منازعت کرنے یا دوسروں کی پیٹھ پر کوڑا مارنے کا۔

سیاسی اقتدار بھی بلاشبہ اسلام میں مطلوب ہے۔ مگر وہ اہل اسلام پر اللہ تعالیٰ کا انعام (نور ۵۵) ہے۔ یہ انعام صرف اس وقت ملتا ہے جب کہ اہل اسلام کا کوئی گروہ قابل لحاظ تعداد میں اپنے اوپر مذکورہ دین کو قائم کر چکا ہو۔ اساسات دین کی اقامت کے بعد ہی شرائع دین کی اقامت کے مواقع کھولے جاتے ہیں۔ اصل دین پر خود قائم ہو جانا گویا اپنی پیٹھ کو "کوڑے" کے لئے پیش کر دینا ہے۔ جو لوگ اس خود سپردگی کا ثبوت دے دیں انھیں کو دوسروں کی پیٹھ پر کوڑا مارنے کا سیاسی اجازت نامہ عطا ہوتا ہے۔ خود سپردگی کی اس کیفیت کے بغیر لوگوں کو کوڑا

مارنا خدا کی زمین میں صرف فساد برپا کرنے کا باعث ہوتا ہے نہ کہ انصاف قائم کرنے کا۔ ایسے لوگ جو دوسروں کی پیٹھ پر کوڑا لگانے کے لئے تو بہت بے قرار ہوں۔ مگر خود اپنی "پیٹھ" پر لفظی تنقید کو بھی برداشت نہ کریں، وہ اللہ کی نظر میں ظالم ہیں۔ قیامت میں ان سے پوچھا جائے گا کہ جب تمہاری انانیت کا یہ حال تھا کہ تم لفظی کوڑے کی مار برداشت کرنے کے لئے بھی تیار نہ تھے تو تم کو کیا حق تھا کہ دوسروں کے اوپر مادی کوڑے برسانے کے لئے کھڑے ہو جاؤ۔ اس تعبیر کا ایک نتیجہ یہ ہوا کہ جو چیز خدا کے نزدیک اہم تھی وہ غیر اہم بن گئی اور جو غیر اہم تھی وہ اہم قرار پائی۔ مذکورہ مفسر اقیموا الدین کی تفسیر کے ذیل میں لکھتے ہیں:

"انبیاء علیہم السلام کو جب اس دین کے قائم کرنے اور قائم رکھنے کا حکم دیا گیا تو اس سے مراد صرف اتنی بات نہ تھی کہ وہ خود اس دین پر عمل کریں۔ اور اتنی بات بھی نہ تھی کہ وہ دوسروں میں اس کی تبلیغ کریں تاکہ لوگ اس کا برحق ہونا تسلیم کر لیں، بلکہ یہ بھی تھی کہ جب لوگ اسے تسلیم کر لیں تو اس سے آگے قدم بڑھا کر پورا کا پورا دین ان میں عملاً رائج اور نافذ کیا جائے۔ تاکہ اس کے مطابق عملدرآمد ہونے لگے اور ہوتا رہے۔ اس میں شک نہیں کہ دعوت و تبلیغ اس کام کا لازمی ابتدائی مرحلہ ہے جس کے بغیر دوسرا مرحلہ پیش نہیں آسکتا۔ لیکن ہر صاحب عقل آدمی خود دیکھ سکتا ہے کہ اس حکم میں دعوت و تبلیغ کو مقصود کی حیثیت نہیں دی گئی ہے۔ بلکہ دین قائم کرنے اور قائم رکھنے کو مقصود قرار دیا گیا ہے۔ دعوت و تبلیغ اس مقصد کے حصول کا ذریعہ ضرور ہے مگر بجائے خود مقصد نہیں ہے۔ کجا کہ کوئی شخص اسے انبیاء کے مشن کا مقصد وحید قرار دے بیٹھے۔" ۴۸۸

قرآن میں تمام انبیاء کے بارے میں صراحۃً یہ بات کہی گئی ہے کہ وہ صرف تبلیغ (پہنچا دینے) پر مامور تھے۔ قوموں کو پوری طرح باخبر کر دینے کے بعد ذاتی ذمہ داری کی حد تک ان کا کام ختم ہو جاتا تھا۔ "قائم کرنا اور قائم رکھنا" تمام تر مدعو کے اپنے ردعمل پر منحصر ہے۔ اس کو انبیاء کی ذمہ داری کس طرح قرار دیا جا سکتا ہے۔ قرآن میں کوئی ایک آیت ایسی نہیں ہے جس میں نبیوں کے مشن کو "قائم کرنے اور قائم رکھنے" کے الفاظ میں بیان کیا گیا ہو۔ اس کے برعکس کثرت سے ایسی آیتیں موجود ہیں جن میں پہنچا دینے کو ان کا فرض منصبی بتایا گیا ہے۔ مثلاً:

فهل على الرسل الا البلاغ المبين (نحل ۳۵) — پس رسولوں پر ذمہ نہیں مگر پہنچا دینا کھول کر

وما نرسل المرسلين الا مبشرين ومنذرين (انعام ۴۸) — اور نہیں بھیجتے ہیں ہم پیغمبروں کو مگر بشارت دینے والے اور ڈرانے والے۔

دعوتی جدوجہد کی عملی تفسیر انبیاء کرام کی زندگیاں ہیں۔ ہر نبی نے دعوت دین کے کام کو کامل اور مکمل صورت میں انجام دیا۔ اس لئے اس مہم کی اسی انجام دہی کو "مقصود" کی حیثیت دی جائے گی جو تمام انبیاء کے یہاں مشترک طور پر پائی جاتی ہو۔ اور معلوم ہے کہ تمام انبیاء کے یہاں جو چیز مشترک طور پر پائی جاتی ہے وہ پہنچا دینا ہی ہے نہ کہ پورے کے پورے دین کو عملاً رائج و نافذ کر دینا۔ یہ واقعہ یہ ثابت کرنے کے لئے کافی ہے کہ دعوتی مشن کا اصل مقصود یہ ہے کہ مدعو تک خدا کا پیغام پوری طرح پہنچ جائے۔ نہ کہ اس کو قائم کرنا اور قائم رکھنا۔

یہ "علم جدید کا چیلنج" کا نظر ثانی کیا ہوا ایڈیشن ہے
اس کتاب کا عربی ایڈیشن "الاسلام یتحدی" کے نام سے
شائع ہو چکا ہے جو قاہرہ کی جامعۃ الازہر کے نصاب
میں ایک "مددگار کتاب" کی حیثیت سے داخل ہے۔
اسی طرح طرابلس یونیورسٹی نے اس کو اپنی تمام فیکلٹیوں میں
"ثقافت اسلامیہ" کے موضوع کے تحت بی اے اور
بی ایس سی کے پہلے اور دوسرے سال کے طلبہ کی تعلیم
کے لئے مقرر کر دیا ہے۔

WIP